ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی

# قاضی اطہر مبارکپوری

ترجمہ

محمد معتصم اعظمی

اصلاحی ہیلتھ کیئر فاؤنڈیشن، نئی دہلی

قاضی اطہر مبارکپوری
ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی
ترجمہ: محمد معتصم اعظمی

Islahi Healthcare Foundation
New Delhi

ISBN 81-934386-2-0
9 788193 438626

ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی

# قاضی اطہر مبارکپوری

ترجمہ

محمد معتصم اعظمی

اصلاحی ہیلتھ کیئر فاؤنڈیشن، نئی دہلی

| | | |
|---|---|---|
| کتاب کا نام | : | قاضی اطہر مبارکپوری |
| کاتب | : | ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی |
| مترجم | : | محمد معتصم اعظمی |
| ناشر | : | اصلاحی ہیلتھ کیئر فاؤنڈیشن، نئی دہلی |
| سن طباعت | : | 2017 |
| ISBN | : | 978-81-934386-2-6 |
| قیمت | : | 100روپئے |

# فہرست

# مقدمہ

حکیم شمیم ارشاد اعظمی

اردو زبان میں اسلامی تاریخ سے متعلق کافی اہم لٹریچر موجود ہے۔ان میں بیشتر کتابیں طبع زاد ہیں اور کچھ کتابیں عربی وانگریزی زبان سے ترجمہ ہوئی ہیں۔تاریخ اسلام سے متعلق علامہ شبلی نعمانیؒ اور ان کے قائم کردہ ادارہ دار المصنفین کی خدمات نہایت اہم ہیں۔اس کے علاوہ بعد میں ندوۃ المصنفین، دہلی سے بھی اس موضوع سے متعلق اہم کتابیں شائع ہوئی ہیں۔تاریخ اسلام سے متعلق جن اہم کتابوں کی طرف ذہن سب سے پہلے منتقل ہوتا ہے ان میں شاہ محمد نجیب اکبرآبادی کی تاریخ اسلام، شاہ معین الدین کی تاریخ اسلام، قاضی زین العابدین کی تاریخ ملت کافی اہم ہیں۔ان کے علاوہ کچھ کتابیں مختلف ادوار اور اسلامی شخصیات سے متعلق بھی علاحدہ علاحدہ لکھی گئی ہیں۔بعد کے ادوار میں عہد اموی اور عہد عباسی اور اس کے بعد ہندستانی سلاطین کی علمی خدمات کو بھی اس دائرہ میں سمویا گیا ہے۔ لیکن ان کتابوں میں عرب (عالم اسلام) اور ہندستان کے معاشی، سیاسی، سماجی اور علمی تعلقات کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے۔یہ ایک اہم موضوع تھا، لیکن مؤرخین اسلام نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔

عرب اور ہندستان کے تعلقات پر سب سے پہلے سید سلیمان ندویؒ نے قلم اٹھا کر تاریخ اسلام میں ایک نئے باب کا آغاز کیا۔اس سلسلہ کو قاضی اطہر مبارکپوریؒ نے پوری دیانت داری اور توانائی کے ساتھ نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ عالم اسلام کے مختلف ادوار سے متعلق ہندستان کے تعلقات پر نہایت اہم اور دستاویزی کتابیں لکھی ہیں۔اس سلسلہ کی اہم کتابوں میں العقد الثمین فی فتوح الهند ومن ورد فيها من الصحابة والتابعين، عرب و ہند عہد رسالت میں، خلافت راشدہ اور ہندستان، خلافت عباسیہ اور ہندستان، خلافت بنو امیہ اور ہندستان، رجال السند و الهند الى القرن السابع، ہندستان میں عربوں کی حکومتیں ،اسلام ہند کی عظمت رفتہ ،ائمہ اربعہ ، مختصر سوانح ائمہ اربعہ ، مسلمانوں کے ہر طبقہ میں علم و علماء، علمائے اسلام کی خونی داستانیں، علی و حسین، خواتین اسلام کی علمی ودینی خدمات، تعلیمی سرگرمیاں عہد سلف میں، بنات اسلام کی علمی و دینی خدمات، دیار پورب میں علم و علماء اور تذکرہ علمائے مبارکپور کے نام قابل ذکر ہیں۔

زیر نظر کتاب عربی زبان میں لکھی گئی ہے ،اس کتاب کے مصنف ہندستان کے مشہور اسلامی اسکالر ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی کا تعلق بھی اسی خطۂ اعظم گڑھ سے ہے جہاں علامہ شبلی نعمانی، علامہ حمید الدین فراہی ،اور قاضی اطہر مبارکپوری جیسے عظیم المرتبہ لوگوں نے جنم لیا۔ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی کی یہ تحریر قاضی صاحب کی حیات و خدمات سے متعلق با قاعدہ اور منظم شکل میں پہلی کتاب ہے جو سب سے پہلے منظر عام پر آئی۔اورنگ زیب اعظمی نے بہت کم وقت میں بہت زیادہ علمی کام کیا ہے۔قرآنیات، عربی ادب، ترجمہ نگاری، ہندستانی تہذیب وثقافت ان کے اختصاصی موضوعات ہیں۔اب تک پچاس سے زائد کتابیں عربی، انگریزی اور اردو زبان میں ملک و بیرون ملک سے شائع ہو چکی ہیں۔ تراجم سے متعلق بعثة أحمد بن النعمان، المصادر

الهندية للعلوم الإسلامية، الحجاب، الغالب والمتنبي- شاعران كبيران، من القاعدة البغدادية إلى صحيح البخاري، لكناؤ مركزًا للدراسات العربية والإسلامية، الموجز في قواعد اللغة الفارسية، المأمون، التراث المنقول، نولكشور لمحة عن حياته ودراسة لخدماته، العرب والهند في العهد العباسي، الحركة العملية وكيف طورها الإسلام قابل ذکر کتابیں ہیں۔

طبع زاد کتابوں میں حركة الترجمة في العصر العباسي، ترجمات معاني القرآن الكريم الإنجليزية، الأيام: دراسة ونقد، المقالات السبع، القاضي أبو المعالي أطهر المباركفوري، تطور الشعر العربي في محافظة أعظم كره، رحالة هندي في بلاد الشرق العربي- دراسة نقدية، مسقط كما شهدها روتشنبرغ-دراسة نقدية وتحليلية، مشاهدات في الهند-دراسة نقدية، الدائرة الحميدية- تاريخها ومساهمتها في تطوير العلوم والآداب، التبيان لما في الهند من الحيوان، مبادئ تدبر قرآن، قاموس الفاظ واصطلاحات قرآن، ہندو علماء و مفکرین کی قرآنی خدمات، علامہ ابو محفوظ الکریم معصومی- فخر بنگال وبہار، The Handy Concordance of the Qur'an، A Glossary of the Qur'anic، Poverty, its Solution in Islam، Qur'an Wisdom، Glorious Movement of Translation in the Abbaside Dynasty (750-1258AD)، Standard Arabic Grammar اور Essays on Arabic and Islamic Studies کے نام شامل ہیں۔

اورنگ زیب اعظمی گرچہ عمر کے اعتبار سے ابھی محض چالیس سال کے ہیں، مگر عمر سے کہیں زیادہ کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ پچاس سے زائد مطبوعہ کتابوں کے علاوہ دو سو سے زائد تحقیقی وتنقیدی مقالے بھی ہند و پاک اور عرب ممالک کے مشہور و معروف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ان کی زیر نگرانی ایک درجن سے زائد محققین

نے تحقیقی مقالے لکھے ہیں اور ڈاکٹریٹ کی سند سے سرفراز ہوئے ہیں۔ صحافت کی دنیا میں بھی موصوف کی خدمات لائق ستائش ہیں۔ موصوف نے طالب علمی کے ابتدائی زمانہ میں ''شعاع'' نامی قلمی رسالہ نکالا ۔اس کے بعد ۱۹۹۴ میں گاؤں کی انجمن اصلاح المسلمین کے ترجمان کے طور پر 'اصلاح' نامی رسالہ کے ایڈیٹر وصدر تھے۔ ان مجلات کے علاوہ عربی زبان میں ''الشروق'' نامی قلمی رسالہ کو ذاتی طور پر نکالنا شروع کیا۔ مدرسۃ الاصلاح پر طلبہ کی جانب سے شائع ہونے والے ''مجلہ'' کے نائب ایڈیٹر اور اڈیٹر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دی ہیں ۔ انجمن طلبہ قدیم (مدرسۃ الاصلاح) شاخ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ترجمان 'نقش' کی مسلسل دو سال ادارت فرمائی ہے۔ مجلۃ الہند (عربی)، The Indian Journal of Arabic and Islamic Studies, The International Journal of Muslim Sciences, جیسے اہم رسائل ان کی کوششوں سے بدستور شائع ہورہے ہیں ۔اس کے علاوہ ہند و پاک کے کئی اہم رسائل و جرائد کے مجلس ادارت ومشاورت سے بھی وابستہ ہیں، پاکستان سے شائع ونے والا ایک اہم علمی رسالہ 'الدیبل' کے مشرف بھی ہیں۔

ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی صاحب بنیادی طور سے ایک استاذ ہیں موصوف جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ عربی سے وابستہ ہیں، اس کے علاوہ وشوابھارتی (کلکتہ) میں بھی تدریسی خدمات انجام دے چکے ہیں۔

موصوف کی خدمات کو سراہتے ہوئے حکومت ہنداور بعض انجمنوں نے انعام واکرام سے بھی نوازا ہے۔اس میں مہارشی بدریان ویاس سمان (حکومت ہند) کافی اہمیت کا حامل ہے۔

اس کتاب کے مترجم محمد معتصم اعظمی تصنیف وتالیف کا بلند ذوق رکھتے ہیں۔ مدرسۃ الاصلاح کے ممتاز تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ طالب علمی کے زمانہ سے ہی ان کے مضامین ومقالات ہندوپاک کے اہم رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ محمد معتصم اعظمی نے سال رواں میں عربی نحو پر ہندستانیوں کی خدمات پر اپنی تحقیقی مقالہ جمع کیا، عنقریب موصوف ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے سرفراز کیے جائیں گے۔ اس کے علاوہ ادب سے متعلق مختلف زبانوں میں ڈپلوما بھی کیا ہے۔ معتصم اعظمی نے روایت سے ہٹ کر تراجم کو اپنا میدان کار بنایا۔ قاضی اطہر مبارکپوری کی مشہور تصنیف" عرب وہند عہد رسالت میں" کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا، جو بالا قساط ( The Indian Journal of Arabic and Islamic Studies) میں شائع ہوا ہے ۔ باقاعدہ کتابی صورت میں جلد ہی منظر عام پر آنے والا ہے۔

محمد معتصم کا دوسرا اہم کام زیر نظر کتاب( قاضی اطہر مبارکپوری) ہے۔ یہ دراصل ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی صاحب کی کتاب" القاضی ابو المعالی اطہر المبارکپوری" کا اردو ترجمہ ہے۔ ترجمہ نگاری ایک مشکل فن ہے، لیکن زیر نظر کتاب دیکھ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ محمد معتصم اعظمی نے اس فن کا نہ صرف حق ادا کیا بلکہ بسا اوقات اصل کتاب اور ترجمہ میں تفریق مشکل ہو جاتی ہے۔ قاضی صاحب کے انتقال کے بعد ان کی حیات وخدمات سے متعلق مضامین لکھے گئے، کچھ رسالوں نے قاضی صاحب کی حیات و خدمات سے متعلق خاص نمبرات بھی شائع کیے، لیکن منضبط طور سے کتابی شکل میں کوئی باقاعدہ کتاب نہیں لکھی گئی۔ اورنگ زیب اعظمی صاحب نے عربی زبان میں یہ کتاب لکھ کر خطۂ اعظم گڑھ کی طرف فرض کفایہ ادا کیا ہے۔ امید کہ یہ کتاب عالم عرب میں قاضی صاحب کی علمی کارناموں کو متعارف کرانے میں مفید ثابت ہوگی۔ محمد

معتصم اعظمی نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کر کے ایک اہم علمی خدمت انجام دی ہے۔
امید کہ یہ کتاب اردوداں حلقہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

حکیم شمیم ارشاد اعظمی

ریڈر شعبہ علم الادویہ، اسٹیٹ یونانی میڈیکل کالج، الہ آباد، اترپردیش

# عرض مترجم

قاضی اطہر مبارکپوری کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، آپ کا شمار کثیر التصانیف مصنفین میں ہوتا ہے۔ آپ کی علمی و دینی خدمات کا غلغلہ نہ صرف یہ کہ ہندو پاک تک رہا بلکہ پورا وسط ایشیا آپ کی فیض رسانی سے سیراب ہوا۔ آپ کی تصنیفی خدمات کا دائرہ بہت متنوع اور وسیع ہے۔ آپ نے جہاں مختلف شخصیات پر قلم اٹھایا وہیں اسلامی تاریخ، تفسیر اور علم حدیث و محدثین کے ساتھ ساتھ فقہائے کرام کی حیات و خدمات اور افکار و خیالات پر لازوال علمی سرمایہ چھوڑا ہے، جس کی نظیر عصر حاضر میں ملنا مشکل ہے۔ آپ کا سب سے اہم اور عظیم کارنامہ تاریخ اسلام سے متعلق اہم لٹریچر اور وہ تصانیف ہیں جو عرب و ہند کے حوالے سے لامحدود معلومات کا خزینہ ہیں۔ جسے آپ نے امہات الکتب کے مطالعہ کی روشنی میں ہندستان اور عرب کے مابین تعلقات پر بہت ہی مربوط اور محققانہ انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ مذکورہ کارنامے کی وجہ سے آپ کی کاوشوں کو عرب و عجم میں یکساں طور پر پذیرائی نصیب ہوئی۔ اپنے اچھوتے اسلوب نگارش، دلکش انداز بیان اور مستند مواد و مآخذ کے اعتبار سے آپ اس میدان کے منفرد شخص شمار کیے جاتے ہیں۔

مولانا کی خود نوشت ۔کاروانِ حیات۔ کا اگر مطالعہ کیا جائے (جس میں آپ نے اپنی زندگی کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کی ہیں) تو یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ

آپ کا تعلق ایک علمی خانوادے سے تھا۔ نانہال اور دادیہال دونوں جگہ علم کی شمع روشن تھی۔ قاضی صاحب اپنے والدین کی سب سے بڑی اولاد تھے، والدہ کی گود ان کا پہلا مدرسہ تھی۔ والد اور نانی کی مسلسل محنت اور تربیت نے آپ کو تعلیم و تعلم اور کتب بینی کی طرف اس طرح راغب کر دیا کہ مطالعہ کا ذوق تاحیات باقی رہا۔ جبکہ خود انھوں نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ہی سخت محنت اور ذاتی کوششوں سے امہات الکتب، دیوان الحماسہ، سبع معلقات اور نحو و صرف کے علاوہ عربی زبان و ادب کی دیگر کتب کا مطالعہ کرنے کے ساتھ ان کی تحسین و تفہیم کی بھی صلاحیت پیدا کر لی تھی۔ ان کے اندر کتب بینی کا ذوق، علمی نوادر اور کتابیں خریدنے کا شوق اس قدر تھا کہ انھوں نے کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ اکٹھا کر لیا تھا۔ ان کا ذوق مطالعہ بہت بلند تھا، اسی طرح علمی نوادر اور کتابیں خریدنے کا شوق بھی بے پایاں تھا یہی وجہ تھی کہ طالب علمی کے زمانہ میں ہی ان کے پاس ایک لائبریری تیار ہو گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی آپ کتابوں کے سچے عاشق اور کتاب کے باذوق قاری بھی تھے۔

آپ کے علمی شوق، کثرت مطالعہ اور کتب فہمی کی وجہ سے مدرسہ احیاء العلوم کے طلبہ آپ کے زمانۂ طالب علمی میں ہی آپ سے رجوع کیا کرتے تھے، اور جب مدرسہ میں جمعیۃ الطلبہ کا قیام عمل میں آیا، تو اس کے قلمی رسالہ "الاحیاء" کے مدیر کی حیثیت سے آپ ہی کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس طرح قاضی صاحب نے طالب علمی کے زمانے سے ہی لکھنا شروع کر دیا تھا اور اسی زمانے میں صحافت کے میدان میں بھی اپنی ایک شناخت قائم کر چکے تھے۔ اور پھر یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا اور بہت جلد اپنی تالیفات کے ذریعہ عرب و عجم میں مقبول ہو گئے۔ مضمون نگاری کے ساتھ شعر و شاعری کا شوق بھی کثرت مطالعہ ہی کے سبب پیدا ہوا۔ دوران طالب علمی پہلا مضمون بعنوان "مساوات" بدایوں سے شائع ہونے والے رسالہ 'مومن' کے شمارہ دسمبر 1934 بمطابق 1353 میں

شائع ہوا۔ ان کی پہلی نظم 'مسلم کی دعا' کے نام سے ماہنامہ 'الفرقان' بریلی جلد 5 شمارہ 6 بابت ماہ جمادی الثانی 1357 کے صفحہ 32 پر چھپی، یہی نظم ترمیم و تہذیب کے بعد دسمبر 1939 میں 'نالۂ اطہر' کے نام سے ماہنامہ 'قائد' مرادآباد میں شائع ہوئی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد قاضی صاحب نے مادر علمی احیاء العلوم میں ساڑھے چار سال تک درس و تدریس کا فریضہ انجام دیا، پھر مرکزی تنظیم اہل سنت کے سربراہ نورالحسن بخاری کی دعوت پر امرتسر چلے گئے اور مولانا فارقلیط کے ساتھ امرتسر لاہور سے شائع ہونے والے سہ روزہ 'زمزم' کے دفتر میں خدمات انجام دینے لگے۔ قاضی صاحب یہاں 'منتخب التفاسیر' کی جمع و ترتیب میں مصروف رہے پھر والد محترم کے سفر حج کے باعث احیاء العلوم میں عارضی طور پر کچھ ماہ بحیثیت مدرس خدمت انجام دی۔ بعد ازاں لاہور کا رخ کیا اور 'زمزم' میں بحیثیت نائب مدیر خدمات انجام دینے لگے۔ مگر ملک میں پھیلی سیاسی اتھل پتھل کی وجہ سے 10 جون 1947 کو وطن واپس آگئے اور کچھ دن بہرائچ سے نکلنے والے اخبار 'الانصار' میں بحیثیت مدیر کام کیا۔ پھر ڈابھیل کے ایک مدرسہ میں درس و تدریس سے وابستہ ہوگئے، مگر یہ سلسلہ کچھ عرصہ ہی چل سکا۔ 'رجال السند والہند' جیسی مایہ ناز کتاب کی داغ بیل یہیں پڑی۔ بالآخر 1949 میں ممبئ کا رخ کیا اور جمعیۃ العلماء، صوبہ ممبئ کے دفتر میں کام کرنے لگے۔ پھر 1950 میں 'جمہوریت' کے نائب مدیر مقرر ہوئے، قاضی صاحب کی محنت و لگن کی وجہ سے یہ روزنامہ جلد ہی ممبئ کا مقبول ترین اخبار بن گیا۔ پھر 1951 میں 'انقلاب' کے نائب مدیر بن گئے جس کے بعد قاضی صاحب کے مضامین اور نوادرات کی وجہ سے 'انقلاب' کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ انقلاب میں آپ کے کالم 'احوال و معارف' کو علمی حلقوں میں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے اپنی کاوشوں کو ماہنامہ 'البلاغ' کے لیے مختص کر دیا اور تقریباً 26 سال تک مسلسل ماہنامہ سے وابستہ رہے اور البلاغ کو صحافت کی معراج تک پہونچایا۔

علمی وجاہت کے ساتھ ساتھ قاضی صاحب میں انسانی واخلاقی قدریں بھی بدرجہ اتم موجود تھیں۔ وہ کھانے پینے کے معاملے میں بہت ہی سادگی پسند مگر نظیف الطبع تھے۔ انھوں نے بہت ہی سادگی کے ساتھ زندگی بسر کی اور بڑی سے بڑی مجلس میں بھی کبھی انھیں اپنی سادگی پر احساس کمتری اور کسی قسم کی شرمندگی کا کبھی احساس نہیں ہوا بلکہ ان کی سادگی دوسروں کے لیے بھی باعث عبرت و فخر ثابت ہوتی تھی۔

قاضی صاحب کو اپنی تدریسی صلاحیتوں کے اظہار نہ کرپانے کا ملال زندگی بھر رہا، کئی بار اس کا ذکر بھی کیا کہ مدرسے کی پرسکون اور صاف ستھری فضا نہیں ملی ورنہ خود اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے اور علم کو سینے سے سفینے میں منتقل کرنے کے زیادہ مواقع میسر آسکتے تھے۔

قاضی صاحب نے ممبئی جیسے صنعتی اور مادہ پرست شہر میں رہ کر اور صحافتی پیشہ سے وابستگی کے باوجود خود کو تصنیف وتالیف سے جوڑے رکھا اور ساتھ ہی تعلیم و تعلم کے سلسلے کو بھی جاری رکھا۔ وہ اپنے اہل و عیال کی ضرورتوں کی تکمیل کے ساتھ دوسروں کی ضروریات کا بھی خیال رکھتے تھے، کبھی آپ نے اپنے بچوں کو احساس محرومی کا شکار نہیں ہونے دیا۔

قاضی صاحب کا مزاج بالکل علمی و تحقیقی تھا، وہ علم کے کوہِ گراں اور تحقیق کے بحر بے پایاں تھے، اس کے باوجود کبھی ان کے اندر اپنی علمیت کا زعم نہیں پیدا ہوا اور نہ کبھی تعلی اور تکبر کا مظاہرہ کیا بلکہ تمام عمر سادگی اور عجز وانکساری کے ساتھ بسر کرتے رہے۔ وہ اپنے چھوٹوں سے بڑے پر تپاک انداز میں ملتے تھے اور بڑوں سے ملنے کا بھی قاضی صاحب کا خاص اپنا انداز تھا۔ انھوں نے دنیا کی آسائشوں سے بہرہ ور ہونا گوارہ نہ کیا بلکہ دنیا میں مسافر کی طرح زندگی بسر کرنے کو ترجیح دی۔ مولانا کے اندر ایک اور خاص بات یہ تھی کہ ان کے یہاں مسلکی تعصب بالکل نہ تھا وہ سب سے بلا تکلف ملتے جلتے اور سب سے یکساں تعلقات رکھتے تھے۔

قاضی صاحب کا مطالعہ بڑا پختہ اور وسیع تھا جس کی وجہ سے بہت عمدہ اور مایہ ناز تالیفات وجود میں آئیں مثلاً السند والہند'، العقد الثمین، الہند فی عہد العباسین، جواہر الاصول، عرب وہند عہد رسالت میں، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، اسلامی ہند کی عظمت رفتہ، خلافت راشدہ اور ہندوستان، خلافت عباسیہ اور ہندوستان، خلافت بنو امیہ اور ہندوستان، دیار پورب میں علم اور علماء، تذکرہ علماءِ مبارکپور اور تدوین سیر و مغازی وغیرہ۔ قاضی صاحب کو دور طالب علمی میں شعر و شاعری سے بڑا شغف تھا اور کچھ مدت کے لیے شاعری ان کی شناخت بن گئی تھی۔ ابتدا میں انھوں نے اصلاحی نظمیں لکھیں اور بسا اوقات نعتیہ اشعار بھی کہے، بعد میں جیسے جیسے تخیل اور تصور کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اسی طرح نظموں کے ساتھ غزلیں بھی کہنا شروع کر دیں۔ ان کے شعروں میں رمزیت، معنویت اور استعارات کا خوبصورت استعمال دیکھنے کو ملتا ہے مگر خالص علمی و تحقیقی رجحان کی وجہ سے اور تالیفی مصروفیات کے سبب قاضی صاحب نے شاعری سے کنارہ کشی اختیار کرنا مناسب سمجھا۔

قاضی صاحب کی صحت اچھی نہیں رہتی تھی۔ آپ کو نزلہ کی شکایت تھی، جس سے وہ کافی پریشان رہتے تھے، کبھی کبھی اس کی وجہ سے ناک سے خون جاری ہو جاتا تھا، انھوں نے اس کا علاج بھی کرایا تھا اور اللہ کے فضل و کرم سے انھیں کافی راحت بھی ملی مگر پھر کچھ ہی عرصہ بعد اسی مرض میں دوبارہ مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ آپریشن بھی کرانا پڑا، مگر اس مرض سے نجات نہ مل سکی اور انھیں مسلسل بخار رہنے لگا جس سے روز بروز کمزوری میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور پھر ایک دن اسی حالت میں بروز یکشنبہ 27 صفر 1417ھ، بمطابق 14 جولائی 1996ء کی شب جلیل القدر عالم دین، عظیم محقق، مشہور و معروف مورخ اور ممتاز ادیب و شاعر نے داعی اجل کو لبیک کہا اور دوسرے روز یعنی دوشنبہ 28 صفر 1417ھ، بمطابق 15 جولائی 1996ء کو تدفین عمل میں آئی۔ مفتی ابوالقاسم صاحب شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنارس، نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اتنی قدآور اور مایہ ناز شخصیت ہونے کے باوجود آج تک قاضی صاحب کی حیات و خدمات پر کوئی مستقل کام سامنے نہ آسکا۔ ترجمان الاسلام اور ضیاء الاسلام کے دو خاص شماروں کے علاوہ قاضی صاحب کی حیات و خدمات پر آج تک کوئی تصنیف ہماری نظر سے نہیں گذری ہے۔ ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی صاحب ہمارے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور عربی جیسی عالمی زبان میں ان پر ایک کتابچہ تیار کیا۔ جو پہلے 'مجلۃ الہند' کے صفحات کی زینت بنا اور پھر کتابی شکل میں IHF کے ذریعہ شائع کیا گیا۔ بعد میں اسے قسط وار "مجلۃ التلمیذ" نے بھی شائع کیا۔

ضرورت تھی کہ اس اہم اور مختصر سوانح کا اردو اور دیگر زبانوں میں ترجمہ کیا جائے اور اسی جذبہ کے تحت خاکسار نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور چند ماہ کی انتھک کوشش کے بعد یہ حقیر سی خدمت آپ کے سامنے ہے۔

مصنف کی ہمہ وقت رہنمائی کے ساتھ ساتھ برادرم عبد اللہ اسلم اور محمد اعظم کا بھی تعاون حاصل رہا۔ اس موقع پر خصوصی شکریہ کے مستحق حکیم شمیم ارشاد اعظمی صاحب (ریڈر شعبہ علم الادویہ، اسٹیٹ یونانی میڈیکل کالج، الہ آباد، اتر پردیش) ہیں جنھوں نے اس ترجمہ پر نظر ثانی کی اور حسب ضرورت اصلاح کی اور کتاب پر ایک وقیع مقدمہ بھی سپرد قلم کیا۔ اساتھ ہی ان احباب کا بھی بے حد ممنون و مشکور ہوں جنھوں نے اس سلسلے میں ہر ممکن تعاون سے نوازا۔ اللہ ان تمام احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ امید ہے کہ قارئین اس کتاب کو شرف قبولیت بخشیں گے اور خطاؤں کی طرف توجہ دلائیں گے۔

محمد معتصم اعظمی

# قاضی اطہر مبارکپوری

# بسم اللہ الرحمن الرحیم

## تمہید:

بیسویں صدی کا نصف آخر عام طور پر عالم اسلام اور خاص طور سے ہندستانی مسلمانوں کے لیے بہت بار آور ثابت نہیں ہوا، اس صدی نے ہم سے ہمارے وہ مسلم علماء وفقہاء چھین لیے جس کا بدل تمام عالم اسلام میں مل پانا مشکل ہے، مولانا امین احسن اصلاحیؒ (1997)، مولانا ابو الحسن علی حسنی ندویؒ (1999)، ابو المعالی قاضی اطہر مبارکپوریؒ (1996) اور انہیں جیسے بے شمار جید علماء کی مثال پیش کرنے سے زمانہ قاصر ہے، یہ تمام علمائے کرام اپنے اپنے علمی، تحقیقی اور دعوتی میدان کے یکتائے روزگار تھے۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ صاحب ایک بڑے مفسر اور محدث تھے، مولانا ابو الحسن علی حسنی ندویؒ صاحب عربی زبان کے ادیب اور بڑے داعی تھے اور ابو المعالی قاضی اطہر مبارکپوریؒ صاحب ایک بڑے محقق اور اسلامی مؤرخ تھے۔ طویل عرصہ سے چلے آرہے علمی وتاریخی خلا کو نہ صرف آپ نے پُر کیا بلکہ جن بڑے علماء وفقہاء، محدثین و شعرا کے اسماء گرامی سے تاریخ ناآشنا تھی ان سے دنیا کو روشناس کرایا، اس طرح سے آپ نے ہندستان و عرب کے مابین تعلقات کو بھی استوار کیا اور اس کو مزید استحکام بخشا۔ نہ صرف اسلامی عہد حکومت بلکہ خلفائے

راشدین کے اُس عہد کو جو تاریخ کے اوراق کا حصہ بن گیا تھا، اس کی علمی خدمات اور فتوحات سے بھی ہمیں روشناس کرایا، قاضی صاحب کی یہ خدمات ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی۔ قاضی صاحب نے عرب وہند کے مابین تاریخی رشتے کے سلسلے میں جو کوششیں کی ہیں وہ علمی دنیا پر بہت بڑا احسان ہے۔ان تمام مباحث کا ذکر ان شاءاللہ ہم آئندہ سطور میں کریں گے۔

## ولادت،نام ونسب اور خاندان

قاضی عبد الحفیظ بن شیخ حاجی محمد حسن بن شیخ حاجی لعل محمد بن محمد رجب بن شیخ محمد رضا بن شیخ امام بخش بن شیخ علی۔ ان کے جد اعلیٰ سلطان بن نصیر الدین ہمایوں کے دور سلطنت میں کڑا مانک پور سے حضرت راجہ سید مبارک بن راجہ سید احمد سید نور بن راجہ سید حامد چشتی مانک پوری متوفی 2 شوال 970ھ بانیٔ مبارک پور کے ہمراہ یہاں آئے، اور اسی زمانے سے نیابت قضاء کا عہدہ ان کے خاندان میں چلا آرہا ہے، جس کی جھلک اب بھی خاندان کے ہر چھوٹے بڑے فرد کے نام میں موجود ہے۔ آپ کی والدۂ محترمہ کا نام حمیدہ بنت مولانا احمد حسین بن شیخ عبد الرحیم بن شیخ جمال الدین [1]متوفیہ 24 ذی قعدہ 1352ھ تھا۔ قاضی عبد الحفیظ بعد میں قاضی اطہر مبارکپوری کے نام سے مشہورے ہوئے، ان کی پیدائش 4 رجب 1334ھ مطابق 7 مئی 1914ء میں ہوئی، ان کی جائے پیدائش مبارکپور کے محلہ پورہ صوفی اور محلہ حیدرآباد کے نقطۂ اتصال پر موجودہ ہے، جس میں قاضی اطہر مبارکپوری صاحب کا بچپن اور طالب علمی کا دور گذرا۔ [2]

---

[1] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص21-20

[2] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص20

آپ کے دادا کے کل چار بیٹے تھے اور ان کے والد ان میں سب سے چھوٹے تھے قاضی صاحب اپنے والد کی پہلی اولاد تھے، اسی لیے قاضی صاحب سے ان کے خاندان کے چھوٹے بڑے سبھی محبت کرتے تھے، بچپن میں وہ کھیل کود خاص طور پر کبوتر بازی، مچھلی، پرندوں کا شکار اور سیر و تفریح غرض ہر طرح کے کھیل میں شریک رہے، [1] آپ نے سیر و تفریح کے کاموں کے لیے گرد و نواح کے علاقوں کی خوب سیر کی، ان سب کے علاوہ آپ کو مختلف قسم کے کاغذات، نقشہ جات اور پیسے و سکے جمع کرنے کا شوق ہوا، ماچس کی ڈبیاں بھی جمع کرنے اور گھر کے صحن میں پھول، پودوں اور شجر کاری سے خاص لگاؤ و دلچسپی تھی، [2] ان مشاغل کی وجہ سے آپ کی توجہ پڑھائی سے ہٹنے لگی اور وہ مدرسہ سے ناغہ کرنے لگے۔ لہذا ان کے والد مرحوم نے ایک دفعہ ان کی سرکوبی کی اور گھسیٹتے ہوئے مدرسہ لے گئے، اس سرزنش نے انھیں پوری طرح سے بدل دیا نتیجتاً وہ پڑھائی اور حصول تعلیم کی طرف راغب ہو گئے۔ [3]

## خاندانی سلسلہ:

گرچہ آپ کا خاندان عہدۂ قضا پر فائز تھا لیکن آپ کے خاندان کا ماحول غیر تعلیمی تھا، وہ ایسے بچوں کے درمیان تربیت پا رہے تھے جنھیں پڑھنے لکھنے میں دلچسپی نہ تھی بلکہ وہ تمام طرح کے کھیل کود میں مصروف رہتے تھے، چنانچہ قاضی صاحب اس طرف اشارہ کرتے ہوئے خود رقمطراز ہیں:

---

[1] کاروانِ حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص 21

[2] ماہنامہ رسالہ ''ضیاء الاسلام''، 10/12-8/3

[3] ماہنامہ رسالہ ''ضیاء الاسلام''، 10/12-8/3

"میں خاندان اور محلہ کے لڑکوں کے ساتھ ہر قسم کے کھیل کود، صید و شکار، سیر و تفریح، اور طفلی شرارتوں میں شریک رہ کر ان کو غلط حرکتوں سے منع کرتا تھا، اس لیے وہ وہ سب مجھے "مولوی"[1] کہتے تھے حتی کہ اسی زمانہ میں محلہ کے دوسرے لڑکے اور بڑے لوگ بھی مجھے اسی خطاب سے یاد کرنے لگے، کھیل کود کے سامان بنانے میں زیادہ دلچسپی رہتی تھی، چڑیے اور مچھلی کے شکار سے خاص شغف تھا اور خاندانی بھائیوں کے ساتھ قصبہ کے باہر باغوں، کھیتوں، دیہاتوں اور ندی نالوں کا چکر کاٹتا تھا، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم تک یہی حال رہا اور کھیل کود میں زیادہ وقت گذرتا تھا، خاندانی ماحول غیر علمی تھا چار بھائیوں میں دونوں چھوٹے بھائی لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور دینی زندگی بسر کرتے تھے۔"[2]

مزید لکھتے ہیں:

"والدہ مرحومہ کو خاص طور سے میرے بارے میں بہت فکر رہا کرتی تھی کہ یہ بڑا ہو کر مقابل زندگی کیسے بسر کرے گا، میری نانی مرحومہ مجھے صبح کو اپنے گھر منگا لیا کرتی تھیں اور شام کو میرے گھر واپس کرا دیتی تھیں، میرا حافظہ بچپن میں بہت قوی تھا، میری ماں مجھے گود میں لے کر صبح کو قرآن شریف کی تلاوت کرتی تھیں اور میں سنتا تھا، نیز محلہ کے لڑکے اور لڑکیوں کو پڑھاتی

---

[1] یہ لقب اس جگہ مثبت معنی میں نہیں بلکہ منفی معنی میں ہے جیسے قرآن میں ہے: "اِنَّھُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَھَّرُوْنَ "(سورۃالاعراف:82)

[2] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص21

تھیں، اور میں والدہ مرحومہ کی کتابیں الٹتا پلٹتا تھا، اس طرح سے ان کی گود میرا پہلا مدرسہ تھا۔"[1]

اس طرح ان کی ماں اور نانی نے ان کے خاندان میں موجود غیر تعلیمی ماحول کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ قاضی صاحب بذات خود اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں "در حقیقت میرا علمی سرمایہ نانہال کی دین ہے اور وہیں سے میں نے یہ دولت پائی ہے۔"[2]

## تعلیم: ابتدا سے آخر تک:

جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ قاضی اطہر صاحب کی نانی محترمہ علم و عمل کا پیکر تھیں، ان کی والدہ اور نانی خاندان یا محلے کے بچوں کو جو کچھ پڑھاتیں وہ بغور سنتے رہتے، اس طرح عہد طفولیت کے ابتدائی دنوں میں ہی آپ کے کانوں میں علم کی چاشنی گھلنے لگی تھی، جب وہ کچھ بڑے ہوئے تو گاؤں کے مکتب کی طرف رخ کیا، جہاں انھوں نے "قاعدہ بغدادی" اور قرآن کریم" پڑھا، ابتدائی تعلیم اردو زبان میں حاصل کی، ان سب کے علاوہ گھر میں اپنے والد محترم سے بھی تعلیم حاصل کرتے تھے، جب ان میں علمی شعور پروان چڑھنے لگا تو مدرسہ 'احیاء العلوم' مبارکپور میں داخل کر دیے گئے۔ قاضی اطہر صاحب اس وقت قرآن کریم کا تیسرا جز پڑھ رہے تھے، اسی دوران انھوں نے اردو زبان کی مدد سے فارسی و عربی کے ساتھ اسلامی علوم و فنون کی بھی تعلیم حاصل کر لی اور وہاں کے اساتذہ کرام سے بھرپور استفادہ کیا۔ جن میں حافظ علی حسن، منشی عبد

---

[1] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص22

[2] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 144/12-8/3

الوحید، منشی اخلاق احمد، مفتی محمد یسین مباکپوری، مولانا شکر اللہ مبارکپوری، مولانا بشیر احمد مبارکپوری اور مولانا محمد عمر مظاہری کے نام قابل ذکر ہیں۔[1]

مدرسہ احیاء العلوم میں تعلیمی سرگرمی کے علاوہ قاضی اطہر صاحب مبارکپور اور اس کے گردونواح کے دوسرے ممتاز و معروف علمائے کرام سے بھی فیض یاب ہوئے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں: محمد احمد لہراوی صاحب (متوفی 15 شوال 1368ھ) جو اکثر کہا کرتے تھے "من ساوی یوماہ فھو فی الخسران" جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارے میں ہے (ہر اگلا دن پچھلے دن سے بڑھا ہونا چاہیے)[2]۔ مولانا محمد شریف مصطفی آبادی (متوفی 2 ذوالحجہ 1372ھ) " اِلافاضة القدسية في المباحث الحكمية"۔ نانا مولانا احمد حسین رسولپوری صاحب (متوفی 26 رجب 1359ھ) مصنف، ادیب اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ (ماموں) مولانا محمد یحییٰ اعظمی صاحب (متوفی 11 صفر 1387ھ) جامع علوم، اور عربی زبان کے شاعر تھے۔ ملا رحمت علی اسماعیل مبارکپوری صاحب (متوفی 1944ء) بوہرہ فرقہ کے بڑے عالم تھے، اور مولانا سید سلیمان ندوی صاحب جنھوں نے "العلاقات الهندية العربية" کی تصنیف کی۔[3]

احیاء العلوم سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد قاضی صاحب نے مرادآباد کی طرف رخ کیا جہاں 'جامعہ قاسمیہ' میں دورۂ احادیث مکمل کرنے تک قیام فرمایا، یہاں آپ نے مولانا

[1] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص 22-24، ماہنامہ رسالہ "ضیاء الاسلام"، 9/12-8/3 اور 14

[2] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص 25

[3] ماہنامہ رسالہ "ضیاء الاسلام"، 15/12-8/3

سید فخر الدین احمد، مولانا سید محمد میاں اور مولانا محمد اسمعیل سنبھلی جیسے اساتذہ سے استفادہ کیااور علم وادب سے سیر اب ہوئے۔ [1]

قاضی صاحب کا تعلیمی سفر گرچہ یہیں منقطع ہو گیا مگر علمی سفر تاحیات جاری رہا،مزید حصول تعلیم کا شوق ان کی معاشی واقتصادی تنگی کی نذر ہو گیا،اورتاعمر ذوق وشوق ذہن میں سمایارہا،اس بے بسی کااظہار بذات خوداس طرح کرتے ہیں:

"میرے محدود وسائل اور مخصوص حالات قرب وجوار کے بڑے مدرسوں میں جانے کے حق میں بالکل نہیں تھے، بڑی مشکل سے ایک سال باہر رہنا نصیب ہوا،اس کے باوجود حوصلہ کی بلندی اور تحصیل علم کی دھن کا یہ حال تھا کہ جامع ازہر میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا سوداہر وقت سر میں سمایارہتا تھا، بلکہ بعد میں یہ آرزو باقی رہی مگر میں نے اپنے ذوق وشوق کی بدولت ناکامی کو کامیابی سے یوں بدل دیا کہ اپنے گھر اور مدرسے کو جامع ازہر، جامع زیتون، جامع قرطبہ، مدرسہ نظامیہ اور مدرسہ مستنصریہ بنالیا،ان کے اساتذہ اور تلامذہ کے مناظر سامنے رہتے تھے اور میں ان کے حسنات وبرکات سے مستفیض ہوتارہتا تھا۔" [2]

ہمیں قاضی صاحب کادرج ذیل قول بھی ضرور پڑھناچاہیے جس سے غریب ونادار طلبہ کوآگے بڑھنے کا حوصلہ ملتا ہے:

"طالب علم میں محنت اور کوشش کے ساتھ آگے بڑھنے کا حوصلہ اور ذوق وشوق ہو تو چھوٹی جگہ رہ کر بڑاہو سکتاہےاور اگر یہ باتیں نہ ہوں تو بڑی جگہ رہ کر چھوٹا

---

[1] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص30

[2] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص30

ہی رہے گا۔ مجھے کسی بڑی علمی و تحقیقی اور تربیتی ادارہ کی ہوا تک نہیں لگی نہ کسی بڑی شخصیت کی رہنمائی حاصل ہو سکی، ساتھ ہی میرے ذاتی اور خانگی حالات بھی سازگار نہیں تھے۔ اس کے باوجود میں مطمئن اور خوش ہوں کہ اپنے ذوق و شوق، محنت و حوصلہ اور خود سازی کے بل پر وہ سب کچھ حاصل کر لیا جو بڑے اداروں اور بڑی شخصیتوں کی سرپرستی میں رہ کر حاصل کیا جاتا ہے، ہو سکتا ہے جیسا کہ ہوتا بھی ہے کہ مجھے کسی بڑی شخصیت یا ادارہ کے سایہ میں جگہ ملتی تو میرا علمی پودا قوت نمو سے محروم ہو جاتا اور کھلی آب و ہوا میں اسے آزادانہ پھلنے پھولنے اور بارور ہونے کا موقع میسر نہ آتا۔" [1]

## کتابوں اور رسالوں کے مطالعہ سے دلچسپی:

قاضی اطہر مبارکپوری صاحب ان لوگوں میں سے تھے جنھیں کتابیں جمع کرنے اور رسالوں کے مطالعہ کا شوق دیوانگی کی حد تک تھا، کبھی کبھی اس سلسلے میں بڑی مشکلوں اور دشواریوں سے بھی دوچار ہونا پڑا، مگر وہ اس علمی شوق سے غافل نہیں ہوئے، بلکہ اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہو گا کہ وہ نایاب کتابوں اور رسالوں کے جمع کرنے میں دیوانگی کی حد تک سرگرداں رہتے تھے۔ قاضی صاحب نے اپنے اس علمی مشغلہ کو بڑے ہی دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"اردو کی تعلیم کے زمانے سے مجھے کتابیں جمع کرنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا، ساتھیوں سے کتابیں مانگتا اور خود بھی خریدتا تھا۔" [2]

مزید لکھتے ہیں:

---

[1] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص30-31

[2] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص37

"۔۔۔اپنے ذوق اور وسعت کے مطابق [کتب] منتخب کرتا تھا، جی چاہتا تھا کہ کل کتابیں خریدلوں مگر سوال پیسے کا تھا، گھر کی اقتصادی حالت کتابیں خریدنے کی بالکل اجازت نہیں دیتی تھی اس لیے میں نے جلد سازی شروع کر دی۔۔۔ جلد سازی کی آمدنی کتابوں کی خریداری کے لیے محفوظ رکھتا تھا۔" [1]

آگے فرماتے ہیں:

"جو کتابیں میرے ذوق کی ہوتیں اور ان کے حصول کی کوئی صورت نہ ہوتی ان کو نقل کر لیتا تھا۔" [2]

ان کے علاوہ بہت سے دوسرے منقولات ہیں جو ان کے کتب و رسائل جمع کرنے کے عزم و حوصلہ کو ظاہر کرتے ہیں، درج ذیل میں ایک مختصر فہرست ان کتابوں و رسالوں کی دی جارہی ہے جسے انھوں نے عہدِ طفلی یا عنفوان شباب میں خرید لیا تھا:

1. مختار الصحاح، امام رازیؒ
2. ادب الکاتب ابن قتیبہؒ
3. کتاب الاضداد فی اللغۃ ابن بشار انباری
4. کتاب المعارف ابن قتیبہؒ
5. دیوان نابغہ ذبیانی
6. دیوان زہیر بن ابی سُلمیٰ

[1] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص 38
[2] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص 43

7. العلم الخفاق فی علم الاشتقاق نواب صدیق حسن خان بھوپالی

8. دیوان خنساء مع دیوان حاتم طائی

9. مقدمہ ابن خلدون

10. دلائل الاعجاز عبد القاہر جرجانی

11. العمدہ فی الشعر ونقدہ ابن رشیق قیروانی

12. الاخبار الطوال ابو حنیفہ دینوری

13. طبقات الامم ابن صاعد اندلسی

14. الاصابہ فی تمیز الصحابہ ابن حجر عسقلانیؒ

15. فتوح البلدان ابو الحسن بلاذری

16. شرح نخبۃ الفکر ابن حجر عسقلانیؒ

17. دیوان حماسہ ابو تمام طائی مختصر شرح تبریزی

18. الکامل فی اللغۃ والادب مبرد دو جلدوں میں

19. فقہ اللغۃ مع سرّ العربیہ ثعالبی

20. مشکوۃ المصابیح

21. دیوان مجنوں

22. تفسیر ابن کثیر چار جلدوں میں

23. صحیح بخاری مع حاشیہ السندی دو جلدوں میں

24. احیاء العلوم امام غزالیؒ چار جلدوں میں

25. تذکرۃ الحفاظ ذہبی چار جلدوں میں

26. کتاب الخراج امام قاضی ابویوسفؒ

27. الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ

28. سنن ترمذیؒ

29. سنن ابن ماجہ

30. سنن نسائی

مذکورہ کتابوں کے علاوہ دوسرے علوم و فنون کی مزید کتابیں بھی ہیں، مگر ان کا ذکر یہاں طوالت کے خوف سے ضروری معلوم نہیں ہوتا ہے۔

قاضی اطہر صاحب نے صرف اِن کتابوں کی خریداری یا ذخیرہ اندوزی نہیں کی بلکہ انھوں ان کا مطالعہ بھی کیا اور فیض یاب بھی ہوئے، اس سلسلے میں ان کا یہ قول ملاحظہ ہو:

"۔۔۔ غیر درسی کتابوں سے شغف بہت رکھتا تھا، چلتے پھرتے کوئی نہ کوئی کتاب ہاتھ میں ضرور رہا کرتی تھی۔۔۔ غیر درسی کتابوں کا مطالعہ کئی کئی گھنٹے کیا کرتا تھا۔"[1]

کچھ کتابوں کی خریداری کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"یہ ان کتابوں کے علاوہ ہیں جن کو میں خریدتا تھا اور رات دن ان کے مطالعہ میں مشغول رہتا تھا۔"[2]

---

[1] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص 33

[2] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص 35

مزید فرماتے ہیں:

"ان کتابوں کے پڑھنے کے ساتھ ان کے منتخبات جمع کرتا، مضامین لکھتا تھا۔"[1]

بچپن سے ہی کتابوں کو خریدنے اور جمع کرنے کی نسبت سے ہی ہمارے لیے ایک دوسرا سبق آموز واقعہ ہے، جو ذیل میں ہے:

"۔۔۔ دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرتا تھا، اس دور کی ہر کتاب پر نماز پڑھی ہے۔"[2]

## میدان عمل:

تعلیم سے فراغت کے بعد قاضی صاحب کو فکر معاش نے ایک بار پھر مشکل میں ڈال دیا۔ ملک کا گوشہ گوشہ چھان ڈالا جب کوئی ذریعہ معاش ہاتھ نہ آیا تو آپ کے استاد محترم مولانا شکر اللہ صاحب نے انھیں مختلف گاؤں میں مدرسہ احیاء العلوم کے لیے چندہ وصولنے کے لیے بھیج دیا، پھر ان سے کہا کہ یہیں ایک سال حسبۃً للہ تدریس کے فرائض انجام دیں، ان شاء اللہ آگے چل کر اس میں نوکری کا موقع مل سکتا ہے، چنانچہ قاضی صاحب نے اپنے والد محترم سے مشورہ کیا اور اسی مدرسہ میں شوال 1359ھ سے تدریسی فرائض انجام دینے لگے اور ایک سال کی مدت پوری ہونے کے بعد 12 روپئے مشاہرہ پر نوکری طے ہوگئی، مگر وہ اس سے راضی نہ تھے وہ کہتے تھے کہ اس نوکری کا مشاہرہ 15 روپئے ہونا چاہیے، مگر لوگوں نے پہلے ہی مشاہرہ پر اتفاق کیا۔ اس مدرسہ میں قاضی اطہر صاحب کی خدمات شوال 1364ھ تک بحیثیت مدرس رہی۔

---

[1] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص36

[2] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص39

قاضی صاحب نے کسی وجہ سے مدرسہ سے علاحدگی اختیار کرلی۔اس کے بعد آپ نے سید نورالحسن بخاری سے مرکز تنظیم اہل حدیث میں کام کرنے کے لیے درخواست بھیجی جسے فوراً منظور کر لیا گیا اور قاضی صاحب کو مبارکپور سے فوراً امرتسر آنے کی دعوت دی گئی ۔ چنانچہ قاضی صاحب 25 نومبر 1944 کو امرتسر پہنچ گئے اور 12 جنوری 1945 تک وہیں رہے، 13 جنوری 1945 کو 'زمزم' اخبار سے منسلک ہو کر لاہور منتقل ہو گئے، یہاں آکر انھیں شہرت عام پانے کا بھرپور موقع ملا، دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک میں ان کا طوطی بولنے لگا۔لاہور کی علمی فضا بھی ان کے لیے موزوں تھی، لہذا وہ بھی لاہور کی فضا سے حد درجہ شادماں تھے، اسی دوران والد محترم کے حج پر جانے کی اطلاع ملی اور وہ اپنے آبائی وطن واپس آگئے۔ پانچ مہینے شوال 1366ھ سے صفر 1367ھ تک یہیں قیام رہا، اس دوران مدرسہ احیاء العلوم میں عارضی طور پر 45 روپیہ ماہوار تنخواہ پر تدریسی فرئضہ انجام دیتے رہے۔ پھر لاہور واپس آگئے اور پوری دلجمعی کے ساتھ اردو صحافت کی خدمت کرنے لگے، وہاں انھوں نے مولانا فارقلیط کی شاگردی اختیار کرلی مگر جب تقسیم وطن کا واقعہ پیش آیا تو آپ نے 10 جون 1947 کو لاہور کو خیر باد کہا۔ قاضی صاحب کے بعد مولانا فارقلیط صاحب بھی وہاں رک نہ سکے اور واپس آگئے۔

اس کے بعد قاضی صاحب نے نوکری بہت تلاش کی مگر کامیابی نہیں ملی۔لوگوں کے ذہن میں یہ بات گھر کر گئی تھی کہ جیسے ہی ان کو مناسب موقع ملے گا رخصت ہو جائیں گے، کافی محنت ومشقت کے بعد بھی کچھ بات نہیں بنی تو بالآخر یہ طے ہوا کہ قاضی صاحب بہرائچ اترپردیش سے شائع ہونے والے اخبار 'انصار'[1] میں کام کریں۔ لہذا محرم 1367ھ

---

[1] مولانا نور عالم خلیل امینی اور مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے ''انصار'' بغیر (الف لام) کے لکھا ہے، (ماہانہ مجلہ ''الداعی'' 8/3/30، مجلہ ''ترجمان الاسلام''، سہ ماہی، 28-29، اکتوبر 1996 تا مارچ 1997، ص 172)۔ یہ صرف محترم امینی صاحب کا وہم ہے، مزید معلومات کے لیے '' کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک '' ص 105

(1947) میں اس سے منسلک ہوگئے اور رجب 1367ھ (1948) تک بہرائچ میں ہی قیام رہا۔ اخبار کی اشاعت بند ہو جانے کے بعد قاضی صاحب بہرائچ سے واپس آ گئے۔

بہرائچ سے واپسی کے بعد قاضی اطہر صاحب کافی پریشان رہے۔ اس دوران انھوں نے اپنے بہی خواہوں کو نوکری کے بارے میں لکھا، مگر بات نہ بن سکی، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک اور موقع دیا۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں استاد کے طور پر تقرری ہوئی۔ قاضی صاحب رجب 1367ھ ڈابھیل چلے گئے، یہی وہ جگہ ہے جہاں آپ نے اپنی مشہور و مایاناز کتاب 'رجال السند والہند' کی تصنیف کا آغاز کیا۔ افسوس کہ یہاں آپ کا قیام چند مہینے سے زیادہ نہ رہا۔

اس کے بعد جمعیت علماء کے آفس ممبئی میں 28 ذی الحجۃ 1368ھ سے منسلک ہو گئے، اسی دوران اس کے کچھ ممبران نے علاحدہ سے ایک یومیہ اخبار 'جمہوریت' کے نام سے شائع کرنا شروع کیا، چنانچہ قاضی صاحب 100 روپئے مشاہرہ پر 15 جون 1950 کو اس سے وابستہ ہو گئے۔ چونکہ قاضی صاحب ایک زبردست صحافی تھے اس لیے 'انقلاب' کی بہ نسبت اس سے ان کا تعلق کم ہی رہا۔ پھر بعض لوگوں سے قاضی صاحب کا اختلاف ہو گیا اور مجبوراً وہ اس سے علاحدہ ہو گئے۔ 23 فروری 1950 کو انقلاب سے پورے طور پر منسلک ہو گئے۔ 10 اپریل 1991 تک تقریباً چالیس سال اسی سے جڑے رہے اور اسی میں اپنی گراں قدر خدمات انجام دیتے رہے۔

9 رمضان 1373ھ کو ''البلاغ'' ہفت روزہ اخبار شائع ہوا۔ اور پھر ماہانہ مجلہ ''البلاغ'' شائع ہونے لگا۔ قاضی اطہر صاحب اس کے مجلس ادارت کے رکن منتخب کر لیے گئے۔ اور جب مدیر اعلیٰ نے کنارہ کشی اختیار کی تو قاضی صاحب نے تنِ تنہا اس بار گراں کو اپنے ذمہ لے لیا اور تقریباً 26 سال تک اس فریضہ کو بخوبی انجام دیتے

رہے۔ قاضی اطہر صاحب نے علوم اسلامیہ وعربیہ کی نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں، اس کا اظہار مولانا مسعود سعید اعظمی صاحب کے درج ذیل سطور سے ہوتا ہے:

"قاضی [اطہر] صاحب نے (البلاغ کے لیے) نہایت بیش قیمت علمی وفکری مضامین زیب قرطاس فرمائے، تاریخ اور انڈو عرب کلچر قاضی صاحب کا خاص میدان تھا، اور اس میں ان کے افکار وآراء کو نگاہ اعتبار سے دیکھا جاتا تھا، فن تاریخ پر قاضی صاحب کے اختصاص کی جھلک (البلاغ) میں شائع ہونے والے ان کے اکثر مضامین میں نظر آتی ہے" [1]

## قاضی صاحب کے تلامذہ اور مستفید ہونے والے افراد:

قاضی صاحب بنیادی طور سے معلم تھے، اس لیے ہمیشہ درس وتدریس اور تصنیف و تالیف [2] میں مشغول رہے، قاضی صاحب ایک جگہ خود لکھتے ہیں:

"شروع ہی سے پڑھنے پڑھانے کا مزاج تھا، اور اسی میں رہنے کا ارادہ تھا۔" [3]

مولانا قمر الزماں قاضی صاحب کے علمی مذاق اور تصنیفی وتدریسی شوق کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"۔۔۔ مولانا کو اپنے مذاق ومزاج کے نشاط کی خاطر طلبہ کو پڑھنے پڑھانے میں لذّت محسوس ہوتی تھی۔ کیوں کہ وہ بنیادی طور سے ایک مصنف ہی نہیں تھے، مشرقی درسیات کے علومِ مروجہ پر حاوی ایک اچھے مدرّس بھی تھے۔" [1]

---

[1] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 8/3-206/12

[2] اسیر ادروی کا یہ قول: "لیکن تدریسی زندگی ان کو راس نہ پہلے آئی اور نہ اب، اس لیے ان کا مزاج لگی بندھی تعلیم اور ماحول سے کچھ زیادہ مناسبت نہیں پیدا کر سکا۔" (سہ ماہی مجلہ "ترجمان الاسلام" 29، اکتوبر 1996-مارچ 1997، ص 31) قاضی صاحب نے جو کچھ اپنے بارے میں فرمایا اس کی روشنی میں صحیح نہیں ہے۔

[3] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 8/3-47/12

قاضی صاحب اپنے تعلیمی زمانہ کی مصروفیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نیز زمانہ طالب علمی میں مدرسہ میں دو ایک درسی کتاب پڑھاتا تھا، اور طلبہ نہایت ذوق و شوق سے پڑھتے تھے۔۔۔ بعض اوقات میں پڑھانا نہیں چاہتا تھا تو مجھے زبردستی پڑھانے پر مجبور کرتے تھے۔"[2]

قاضی صاحب کو درس و تدریس سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا مگر اس فطری ذوق کے باجود اپنے تدریسی مشغلہ کو باضابطہ طور سے جاری[3] نہ رکھ سکے۔ پھر بھی علماء کی ایک بڑی تعداد نے آپ سے کسب فیض کیا ہے۔ اس کی ایک طویل فہرست ہے۔ چند کے نام اس طرح ہیں۔

ابو سعید بزمی صاحب مدیر 'احسان'، سید آصف حسن، سید خالد حسین، مولانا عبید محمد عثمان معروفی، مولانا اعجاز احمد اعظمی، مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی، مولانا بدر الدین اجمل شیخ الہند اکیڈمی کے نگراں، سید شہاب الدین بھیونڈی، ملا محمد یونس شکیب مبارکپوری، حاجی سید محی الدین، محمد احمد غریب، مولانا بدر الدین اجمل قاسمی، یونس اگاسکر، مولانا شہاب الدین اعظمی، مولانا عبد الحنان اعظمی، قاری انوار الحق

---

[1] مئے طہور، ص46

[2] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص32

[3] قمر الزماں مبارکپوری ان کی درس و تدریس کے متعلق فرماتے ہیں:

مولانا درس و تدریس کے باقاعدہ سلسلہ کو زیادہ دنوں تک جاری رکھنے کا موقع نہیں پا سکے۔ ان کی باضابطہ مدت مدرّسی مدرسہ احیاء العلوم اور ڈابھیل کی ملا کر کل پانچ سال گیارہ ماہ کی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے انجمن اسلام ہائی اسکول بمبئی (ممبئی) میں 1960 سے دس برس تک پڑھایا تھا، جس میں جزوقتی اور کل وقتی دونوں طرح کے درس شامل ہیں، اسی طرح بہرائچ کے دورِ قیام میں مدرسہ نور العلوم میں بھی بعض کتابیں طلباء کو پڑھانے لگے تھے۔۔۔ اس کے علاوہ "شیخ الہند اکیڈمی" دیوبند کی دیکھ ریکھ کے لیے جاتے اور وہاں پندرہ دن یا ایک مہینہ قیام کرتے تو طلباء کو پڑھانے لگتے۔" مئے طہور 46

مبارکپوری، مولانا عبد المنان باسوپوری، مولانا عبد الرؤف مصنف مبارکپوری، مولانا مفتی ظہور احمد خان، مولانا قمر الدین رسول پوری، مولانا محمد عوف پھینتی پوری، خالد انصاری ابن عبد الحمید انصاری، مولانا شعیب محشر صادقی نظام آبادی اور محمد عمر سیفی اعظمی۔[1]

## مضمون نگاری کے میدان میں:

قاضی صاحب کو ایام طفلی سے ہی تصنیف و ترجمہ میں بڑی دلچسپی تھی چنانچہ جب مدرسہ احیاء العلوم کی جمعیۃ الطلبہ کی طرف سے "الاحیاء" نامی قلمی رسالہ جاری کیا گیا تو اس کی ذمہ داری بھی قاضی صاحب پر تھی۔"[2]

قاضی صاحب کی یہ عادت تھی کہ مطالعہ کتب کے دوران جب کوئی اہم نکتہ سامنے آتا تو اس کو نوٹ کر لیا کرتے تھے۔ بعد میں انہیں نکات کو ترتیب دے کر مقالہ کی شکل دے دیتے تھے، اس مقصد کے لیے انھوں نے جمعیۃ الطلبہ کی تمام کتابوں کا مطالعہ کر لیا، اس سلسلے میں وہ خود بیان فرماتے ہیں:

> " جمعیۃ الطلبہ کی لائبریری کی تقریباً تمام کتابیں کلی یا جزوی طور پر میرے مطالعہ میں رہ چکی ہیں اور میں نے ان سے استفادہ کیا ہے۔ جس دن کوئی نئی کتاب ہاتھ آجاتی، سب کچھ چھوڑ کر اسی کے مطالعہ میں غرق رہتا تھا، ان کتابوں کے پڑھنے کے ساتھ ان کے منتخباب جمع کرتا، مضامین لکھتا تھا،

---

[1] ہم نے یہ نام ماہنامہ رسالہ "ضیاء الاسلام"، اور مئے طہور سے اخذ کیے ہیں

[2] ماہنامہ رسالہ "ضیاء الاسلام"، 15/12-8/3

حالانکہ اس وقت تک ان کتابوں کو پوری طرح سمجھنے کی صلاحیت نہیں تھی
بلکہ بہت سی کتابیں میری استعداد سے کہیں زیادہ بلند تھیں۔"[1]

قاضی صاحب اپنی مضمون نگاری کی ابتدااور اس کی اشاعت سے متعلق فرماتے ہیں:

"سب سے پہلے میرا نام ایک پہیلی کے سلسلہ میں جامعہ ملیہ دہلی کے رسالہ 'پیام تعلیم' میں چھپا تو مولانا شکر اللہ صاحب نے بلا کر مجھے داد دی۔ اس کے بعد اخبار 'الجمعیۃ' دہلی میں 'واردھا کی خطرناک تعلیمی اسکیم' کے عنوان سے ایک مختصر مضمون شائع ہوا، پھر 1353ھ میں رسالہ 'مومن' بدایوں میں ایک صفحہ کا مضمون 'مساوات' کے عنوان سے شائع ہوا، دوسرا مضمون 'رہا دین باقی نہ اسلام باقی' کے عنوان سے دو صفحے کا چھپا، اسی زمانہ میں ہفتہ وار 'العدل' گوجرنوالہ پنجاب میں ایک مضمون 'بلا کشان اسلام' کے عنوان سے شائع ہوا۔"[2]

شیخ عبید محمد عثمان معروفی صاحب نے قاضی صاحب کے مضمون 'مساوات' کو کسی مجلہ میں شائع ہونے والا پہلا مضمون قرار دیا ہے،[3] مگر یہ رائے درست نہیں معلوم ہوتی کیونکہ قاضی صاحب نے خود اپنی سوانح میں لکھا ہے کہ ان کا پہلا مضمون جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی سے شائع ہونے والا رسالہ 'پیام تعلیم' میں شائع ہوا تھا۔

---

[1] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 8/3-20/12

[2] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 8/3-30/12

[3] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 8/3-145/12

ان کی پہلی تصنیف خلفائے راشدین اور ائمہ اربعہ ہے۔ قاضی صاحب بذات خود اس کو اپنی پہلی تصنیف بتاتے ہیں۔ [1] قاضی صاحب کو اوائل عمر سے ہی شعر و شاعری سے دلچسپی تھی، جب وہ اردو کی دوسری یا تیسری جماعت میں تھے تو انھوں نے ایک کاپی میں مدائح نبویہ کے اشعار جمع کیے جس کو بعد میں کتابی شکل دیدی، [2] قاضی صاحب نے ایام طفلی میں ہی پانچ کتابیں تصنیف کر دی تھیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1. شوال 1355ھ میں قاضی اطہر صاحب نے کعبؓ بن زہیر کے مدحیہ قصیدہ کی شرح "**خیر زاد فی شرح بانت سعاد**" کے نام سے بیس (20) صفحات میں لکھی، اور مزید تین صفحات کا مقدمہ لکھا جس میں کعب بن زہیر کی سوانح اور اس قصیدہ کے کہے جانے کا سبب کے ساتھ ساتھ اس کے ابیات کی تقطیع کو بھی بیان کیا ہے۔

2. 'وفیات الاعیان'، 'تذکرۃ الحفاظ'، اور 'فہرست ابن ندیم' سے علمائے سلف اور ائمہ علم و فن کے واقعات کو منتخب '**مرآۃ العلم**' کے عنوان سے 54 صفحات پر مشتمل ایک کتاب مرتب کی۔ آخر کے 6 صفحات میں علم و علماء سے متعلق اشعار ہیں۔

3. 'وفیات الاعیان'، 'تذکرۃ الحفاظ'، 'تہذیب التہذیب' اور 'فہرست ابن ندیم' سے استفادہ کرکے "**ائمہ اربعہ**" کے عنوان سے رسالہ 'قائد' میں لکھنا شروع کیا، مگر اس کو مکمل نہ کرسکے اور یہ سلسلہ امام مالکؒ پر ختم ہو گیا، کچھ دنوں کے بعد اس مواد کو کتابی شکل میں مرتب کیا، اس وقت اس کی ضخامت تقریباً 125 صفحات تھی، اس کتاب کو قیام لاہور کے زمانہ میں مرکز تنظیم اہل سنت نے شائع کرنے کا ارادہ کیا، مگر یہ ارادہ 1947 کے تقسیم وطن کی نذر ہو گیا، قاضی صاحب

---

[1] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص 47

[2] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص 47

نے اسے دوبارہ ترتیب دینے اور سلطان کمپنی بھنڈی بازار سے شائع کرنے کی کوشش کی، مگر اس کا مالک پاکستان چلا گیا اور اس طرح دوسری مرتبہ بھی یہ علمی سرمایہ شائع نہ ہو کر دست بردِ زمانہ ہو گیا۔

4. آپ نے 'الاستیعاب'، 'اِلاصابہ'، اور 'اسد الغابہ' سے اخذ کر کے صحابیات (رضی اللہ عنہن) کے واقعات کو "**الصالحات**" نام سے یکجا کیا، اور قیام لاہور کے دوران ملک دین محمد اینڈ سنز، تاجران کتب، کشمیری بازار، لاہور کو طباعت کے لیے دیا مگر بوجوہ یہ کتاب بھی شائع نہ ہو سکی، اور اس کا مسودہ بھی مولف سے ضائع ہو گیا۔

5. انھوں نے تقریباً 225 اشعار پر مشتمل "**اصحاب صفہ**" کے نام سے ایک منظوم کتاب لکھی، گویا کہ اصحاب صفہ کے لیے رزمیہ شاعری ہو۔ سید فخر الدین احمد صاحب نے اس کی اصلاح کی، اور پھر مولانا اعزاز علی صاحب نے بھی نوک پلک سنوار دیے، پھر اس کو شباب کمپنی ممبئی کو اشاعت کے لیے دیا، مگر وہاں سے یہ کتاب ضائع ہو گئی۔[1]

ان کے علاوہ جمال الدین افغانیؒ کے رسالہ "الوحدۃ الاسلامیہ" اور بعض دوسرے رسالوں کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا۔[2]

عہد طفلی سے لے کر وفات تک قاضی اطہر مبارکپوری صاحب مقالات و کتب تصنیف فرماتے رہے۔ آپ کی تصنیفی و تالیفی خدمات کا زمانہ تقریباً چالیس (40) سال پر محیط ہے، آپ کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب و مقالات کا تعارف -ان شاء اللہ- ہم مناسب موقع پر پیش کریں گے۔

---

[1] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص 47-51

[2] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص 64

## اردو و فارسی شاعری:

قاضی صاحب فطری شاعر تھے، چنانچہ انھوں نے محض چودہ برس کی عمر سے ہی شعر گوئی شروع کر دی تھی، اپنی زندگی کے اس ادبی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"۔۔۔ شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہوا تو اپنے طور پر اچھی خاصی شاعری کرنے لگا اور میرے اشعار مذہبی، سیاسی اور علمی جلسوں میں پڑھے جانے لگے بلکہ چھپنے لگے۔"[1]

مزید لکھتے ہیں:

"اردو تعلیم ہی کے زمانے سے شعر و شاعری کا ذوق ابھرنے لگا تھا، اس وقت میری عمر تیرہ چودہ سال کی تھی۔ مضمون نگاری کی طرح شعر و شاعری میں بھی کسی سے اصلاح یا مشورہ کی باری نہیں آئی۔"[2]

قاضی صاحب نے ابتدائی زمانہ میں اپنی شاعری پر گرچہ کسی سے اصلاح سخن نہ لیا ہو، مگر بعد میں اردو کے مشہور شاعر احسان دانش، جنہیں شاعرِ مزدور کہا جاتا تھا، کی شاگردی اختیار کی۔ اس سلسلے میں مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کا یہ قول ملاحظہ ہو:

" اس زمانہ میں۔۔۔ ان [جن] کا غلغلہ اور چرچا تھا ان میں احسان دانش کا نام بھی نمایاں تھا۔ قاضی صاحب کے احسان دانش سے واقفیت و روابط ہوئے جو

---

[1] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص36

[2] ماہنامہ رسالہ "ضیاء الاسلام"، 34/12-8/3

جلد ہی دوستی اور شاگردی میں تبدیل ہو کر اور گہرے ہو گئے شعر و سخن میں قاضی صاحب احسان دانش کے باقاعدہ شاگرد ہو گئے تھے۔"[1]

قاضی اطہر صاحب نے اردو و فارسی زبان میں بہت سے قصائد اور غزلیں کہیں مگر اردو کے اشعار کے مقابلہ فارسی اشعار نہ کے برابر ہیں۔

سہ ماہی مجلہ 'ترجمان الاسلام' کے مدیر اسیر ادروی ان کی شاعری کے متعلق لکھتے ہیں:

"ہر ذہین عالم میں شاعری کا جوہر موجود ہوتا ہے بس ذوق سلیم اور موزونی طبع درکار ہوتی ہے، قاضی صاحب بھی شاعر تھے اور دور طالب علمی میں بہت لکھتے تھے، اس دور میں ان کی شاعری ہی ان کی شناخت بن گئی تھی، وہ غزل کے بجائے صرف مذہبی و اصلاحی نظمیں لکھتے تھے، جس میں جوش و جذبہ کی فراوانی تو ضرور تھی مگر لطف بیان، طرز اظہار میں جدت، زبان و بیان کی چاشنی، برجستگی و سلاست اور شگفتگی کا عنصر بہت کم تھا۔۔۔ کبھی کبھار کوئی نعت لکھ دیتے تھے۔

عمر کے ساتھ ان کی شاعری پر بھی نکھار آنے لگا تھا، ان کے شعروں میں رمزیت، معنویت، استعارات کا خوبصورت استعمال اور تخئیل کی کارفرمائیاں نظر آنے لگی تھیں،۔۔۔ اب وہ غزلیں بھی لکھنے لگے تھے ان کی کچھ غزلیں پاکیزہ اور دلکش ہیں۔۔۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ قاضی صاحب کا

---

[1] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 187/12-8/3

فن نہیں تھا اور نہ ان کی ذہنی ساخت غزل کی شاعری کو قبول کرتی تھی۔"[1]

قاضی صاحب کے اردو کلام جو مختلف موقعوں کی مناسبت سے کہے گئے ہیں وہ نظم، نعت، منقبت (صحابہ کرام کی تعریف) اور غزل پر مشتمل ہیں، فارسی حصہ صرف نعتیہ کلام پر مشتمل ہے، ذیل میں ان کے اردو اور فارسی کلام کے چند اشعار نمونے کے طور پر پیش خدمت ہیں:

نہ کہتا تھا، نہ چھیڑو مرے اشکوں کو برا ہوگا
اگر قطرے سے بحر بیکراں تک بات جا پہنچی

مزید کہتے ہیں:

کچھ دنوں میں اور بدلے گی یونہی رسم قفس
اب تو کچھ آزادئ آہ و فغاں ہونے لگی

آپ ﷺ کی مدح میں فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| بینم بہ هجرش برهم نظامے | در شام صبحے، در صبح شامے |
| در صبح رویش، شمسے درخشاں | شمسے چہ شمسے مدامے |
| در شام زلفش، ماہ مبارک | ماهے چہ ماهے، ماهے تمامے |

**ترجمہ:** میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ ﷺ کی ہجرت سے دنیا کا نظام درہم برہم ہو گیا ہے لہذا صبح کے وقت شام ہوتی ہے اور شام کے وقت صبح۔

[1] سہ ماہی مجلہ "ترجمان الاسلام"، 28-29، اکتوبر 1996 تا مارچ 1997، ص 40

وقت صبح آپ ﷺ کا چہرہ سورج کی مانند درخشاں وتاباں رہتا ہے، اور سورج بھی کیسا سورج؟ ایسا سورج جس کو زوال و غروب نہیں۔

وقتِ شام آپ ﷺ کی زلف میں چہرہ ماہ مبارک کی طرح چمکتا و دمکتا ہے، وہ ماہ کامل بھی کیسا ماہ کامل؟ ایسا ماہ کامل جو ہمیشہ ماہ کامل ہی رہتا ہے۔

بحیثیت شاعر قاضی صاحب کی مقبولیت میں برابر اضافہ ہوتا رہا، لیکن تصنیف وتالیف کے مشاغل نے انہیں زیادہ دنوں تو آبروئے غزل کو سنوارنے کا موقع نہ دیا اور بہت جلد قاضی صاحب شاعری کو خیر آباد کہ دیا، لکھتے ہیں:

> "میری خودروشاعری نے مجھے آگے بڑھانے میں بہت مدد کی۔۔۔اس طرح میری شاعری نے مجھے بہت فائدہ دیا مگر اب اس سے میرا تعلق نہیں رہا معلوم نہیں میں نے اس سے بے وفائی کی یا اس نے مجھے اچھی راہ پر لگا کر خود کنارہ کشی کرلی۔"[1]

جبکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے اشعار بہت مقبول ہوئے اور ان کا چرچا علماء اور ادباء کے درمیان ہونے لگا، وہ خود رقمطراز ہیں:

> "۔۔ میری شاعری امرتسر اور لاہور تک آنے کا ذریعہ بنی بلکہ اس نے مجھے ممبئی تک پہنچایا۔"[2]

## وفات:

[1] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 8/3-36/12، کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص 55-54

[2] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص 75

قاضی صاحب اپنے ناک کے اندرونی زخم (نزلاوی) سے پریشان رہتے تھے، کبھی کبھی اس کی وجہ سے ناک سے خون جاری ہو جاتا تھا، آپ نے اس کا علاج کرایا اور شفایاب ہوگئے، عرصہ بعد اسی مرض نے دوبارہ سر اٹھایا یہاں تک کہ آپریشن بھی کرانا پڑا، مگر اس مرض سے نجات نہ مل سکی، انھیں مسلسل بخار رہنے لگا جس سے کمزوری میں اضافہ ہوتا گیا بالآخر بروز یکشنبہ 27 صفر 1417ھ، بمطابق 14 جولائی 1996ء کو شب 10 بجے [1] یہ جلیل القدر عالم، عظیم محقق، مشہور و معروف مورخ اور ممتاز ادیب و شاعر ہم سے جدا ہوگیا، دوشنبہ 28 صفر 1417ھ، بمطابق 15 جولائی 1996ء [2] تقریباً [3] تدفین عمل میں آئی۔ مفتی ابو القاسم صاحب شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنارس، نے نماز جنازہ پڑھائی۔ [4]

## قاضی اطہر صاحب کی عربی دانی:

---

[1] مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب نے مجلہ ''ترجمان الاسلام''، سہ ماہی، 28-29، اکتوبر 1996 تا مارچ 1997، ص 191 وفات کا وقت 9 بج کر 55 منٹ نقل کیا ہے نے مجلہ ''ترجمان الاسلام''، سہ ماہی، 28-29، اکتوبر 1996 تا مارچ 1997، ص 191، تعجب ہے انھوں نے اپنے مجلہ ''الداعی'' میں 10 بجے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ ''الداعی'' 4/3/20

[2] مولانا نور عالم خلیل امینی نے وفات کا دن دوشنبہ 28 صفر المظفر 1417ھ بمطابق 15 جولائی 1996، بتایا، (ماہانہ مجلہ 'الداعی' 4/3/20) جبکہ یہ تدفین کا دن ہے جس کا ذکر سبھی لوگوں نے کیا ہے، مگر موصوف نے اپنی رائے سے اس وقت رجوع فرمالیا جب انھوں نے تراجم کبار علمائے ہنود سے متعلق اپنے مقالات لکھے، انھوں نے اس میں صحیح رائے کو اختیار کیا، مزید معلومات کے لیے رجو کریں ''پس مرگ زندہ'' ص 299

[3] سہ ماہی مجلہ ''ترجمان الاسلام''، 28-29، اکتوبر 1996 - مارچ 1997، ص 3، مولانا نور عالم خلیل امینی نے بیان کیا کہ وہ جگہ ''مقبرہ شاہ پنجہ'' ہے، ''الداعی'' ماہانہ مجلہ 'الداعی' 4/3/20

[4] ماہنامہ رسالہ ''ضیاء الاسلام''، 8/3-152/12

قاضی صاحب کی بیشتر تحریریں اردو زبان میں ہیں۔چونکہ قاضی صاحب عربی زبان کی بھی بہت اچھی مہارت رکھتے تھے،اس لیے بہت سارے ذہنوں میں ان کی عربی تحریروں و تقریروں سے متعلق یہ تجسس پیدا ہونا فطری بات ہے،انھوں نے عربی میں بھی کچھ لکھا ہے کہ نہیں۔اس لیے ہم یہاں اس تجسس کو دور کرنے کے لیے انہی کے سفر حج کے حوالے سے عربی دانی سے متعلق کچھ مثالوں کو پیش کرنا چاہتے ہیں جسے انھوں نے خود نقل کیا ہے، چنانچہ قاضی صاحب بذات خود اپنے اور عرب کے مابین ہوئی گفتگو کو اس انداز میں نقل کرتے ہیں:

"۔۔۔ سألني عدد من المشايخ والعلماء وهم حياري: من أين تعلّمت العربية؟ فرددتُ عليهم بآني لا أتكلّم بالعربية جيدًا وذلك لأننا لا نجد فرصًا للحديث بهذه اللغة ولكن مع ذلك قد انطلق لساني شيئًا. "

"۔۔۔ کئی علماء اور مشائخ نے حیرت سے بابار دریافت فرمایا کہ عربی زبان آپ نے کہاں سے سیکھی ہے؟(راقم) میں نے کہا مجھے یقین ہے کہ میں پورے طور پر صحیح عربی زبان میں بات چیت نہیں کر رہا ہوں کیونکہ ہمارے یہاں اس کا موقع نہیں ملتا پھر بھی کچھ کچھ زبان کھل گئی ہے۔"[1]

ان کی قدرت لسانی کا ثبوت ان کی فصیح عربی کی تصانیف ہیں،ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی بیان کرتے ہیں:

[1] ماہنامہ رسالہ ''ضیاءالاسلام''،8/3-171/12

"یہ کتاب (رجال السند والہند)۔۔۔۔ عربی زبان میں ہے، لیکن اس میں قاضی صاحب کی اپنی عبارتیں کم ہیں اس کی تصریح انھوں نے مقدمہ کتاب میں بھی کر دی ہے، لیکن جہاں کہیں اور جتنا کچھ انھوں نے لکھا ہے، وہ صاف ستھری اور شستہ عربی میں لکھا ہے، کہیں بھی عجمیت یا عجز بیان کا احساس نہیں ہوتا۔"[1]

سہ ماہی مجلہ 'ترجمان الاسلام' کے مدیر اسیر ادروی فرماتے ہیں:

"قاضی صاحب کا عربی ادب کا ذوق بڑا پختہ تھا، دوران گفتگو بے تکلف احباب کی محفلوں میں اکثر سبع معلقہ، دیوان حماسہ اور مختلف جاہلی شعراء کے اشعار سناتے اور اس کی معنویت کی وضاحت کرتے۔ بے شمار عربی اشعار ان کے حافظے میں محفوظ تھے، چونکہ شب وروز عربی کتابوں کا ہی مطالعہ تھا اس لیے ذرا سی توجہ سے عربی کی بہت مرصع نثر لکھتے تھے، بعض عربی کتابوں پر جو انھوں نے مقدمے اور پیش لفظ لکھے ہیں، بہت رواں، سلیس اور فصیح عربی میں ہیں، کہیں کہیں سجع کی رعایت اور قافیہ پیمائی بھی نظر آتی ہے، ان کی عربی عبارتوں میں کہیں تکلف اور آورد کی جھلک نہیں ملتی۔۔۔۔ جو کچھ ہے قدما کے رنگ میں ہے۔"[2]

بہتر ہوگا کہ ہم ان کی عربی نویسی کی چند مثالیں یہاں پیش کر دیں، مولانا اپنی کتاب 'خیر الزاد فی شرح بانت سعاد' میں رقمطراز ہیں۔ اور یہ کتاب مولانا نے مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور کے دورِ طالب علمی میں تصنیف فرمائی تھی:

---

[1] سہ ماہی مجلہ ''ترجمان الاسلام''، 28-29، اکتوبر 1996-مارچ 1997، ص 54

[2] سہ ماہی مجلہ ''ترجمان الاسلام''، 28-29، اکتوبر 1996-مارچ 1997، ص 38-39

"الحمد لله أسبغ علينا من النعم، وجعل في لسان العرب من اللطائف والحكم، والصلاة والسلام على حبيبه نبينا المكرم المبعوث إلى كافة الأمم، وعلى آله وأصحابه الذين هم مصابيح الظلم، صلى الله عليه وآله وصحبه وسلم. أما بعد! فيقول العبد الأحقر القاضي عبد الحفيظ محمد أطهر مباركفوري إني أردت أن أشرح قصيدة بانت سعاد الذي طارت شهرته في أطراف العالم والأبعاد لـ 'كعب بن زهير بن أبي سلمى' رضي الله عنه وفقّني الله في منتصف شوال المكرم سنة خمس وخمسين وثلاث مائة بعد الألف فشرحته كيفما قدرت طاوياً كشح القيل والقال لئلا يوجب الملال والاختصار لئلا يكون سبباً للكلال وسمّيته "خير الزاد في شرح بانت سعاد" وهذا أول جولان يراعي في ميدان القرطاس وأنا غمر جاهل من مثل هذا الشأن فإنه ما اغبرّ مذ نيطت عن التمائم ونيطت به العمائم إلا برهة من الزمان وأنا معترف بعجز والتمس من السادة الكرام أن يصفحوا عن زلاتي وأعرضوا من أن يأخذوني عرضة للملامة والمسئول من الله تعالى أن يجعله خالصاً لوجهه الكريم ومنه التوفيق والعصمة ومنه الاستعانة في كل أمر."[1]

""ترجمہ: شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم پر نعمتوں کے ڈونگرے برسائے اور عربوں کی زبان میں حکمت و دانائی بھر دی۔ درود و سلام ہو ہمارے پیارے نبی ﷺ پر جو تمام امتوں کی طرف بھیجے گئے ہیں اور اہل بیت اور صحابہ کرامؓ پر جو تاریکیوں میں چراغ کے مانند ہیں۔ اما بعد! بندۂ حقیر قاضی عبدالحفیظ اطہر مبارکپوری عرض پرداز ہے کہ ناچیز نے کعبؓ بن زہیر کے قصیدہ 'بانت

[1] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص55-56

سعاد' کی شرح و توضیح کا ارادہ کیا جس کی شہرت تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ نصف شوال 1355ھ میں اللہ نے مجھے اس کی شرح کی توفیق بخشی۔ چنانچہ میں نے جہاں تک ہو سکا اس کی شرح و توضیح اس طرح سے کی کہ نہ زیادہ طویل نہ زیادہ مختصر، قاری اکتانہ جائے اور اس کا نام میں نے "خير الزاد في شرح بانت سعاد " رکھا۔ دنیائے لوح و قلم میں یہ میری پہلی کوشش ہے جبکہ میں اس فن سے نابلد ہوں اور میں کم عمر و کم سن بھی ہوں اور مجھے اپنی کم علمی کا اعتراف بھی ہے اور قارئین کرام سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میری لغزشوں سے صرف نظر فرمائیں اور تنقید کا نشانہ نہ بنائیں اور اللہ سے دعا ہے کہ اپنی خوشنودی کا ذریعہ بنادے اور وہی توفیق بخشنے والا ہے اور ہر معاملے میں اسی کی طرف رجوع کیا جاناچاہیے۔

اپنی کتاب 'رجال السند والہند' میں احمد بن عبداللہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"قال السمعاني في كتاب الأنساب: أحمد بن عبد الله بن سعيد أبو العباس الديبلي سرّ الغرباء والفقراء والزهّاد سكن النيسابوري أيام أبو بكر محمد ابن إسحاق بن خزيمة وهو خانقاه الحسن بن يعقوب الحدادي وتزوج في المدينة الداخلة وولد وكان البيت في الخانقاه برسمه ويأوي إلى أهله في المدينة بعد أن صلّى الصلوة، الصلوة في المسجد الجامع وكان يلبس الصوف وربما مشى حافيًا، سمع بالبصرة أيام خليفة القاضي وببغداد جعفر بن محمد الفريابي وبمكة المفضّل بن محمد الجندي ومحمد بن إبراهيم الديبلي وبمصر علي بن عبد الرحمن ومحد بن زيان وبدمشق أبا الحسن أحمد بن عمير بن جوصا وببيروت أبا عبد الرحمن

مكحولة وبحران أبا عروبة الحسين بن أبي معشر وبتتر أحمد بن زهير التتري وبعسكر مكرم بن عبد الله بن أحمد الحافظ وبنيسابور أبا بكر محمد بن خزيمة وأقوالهم. وسمع منه الحاكم أبو عبد الله الحافظ وتوفي بنيسابور في رجب سنة ثلاث وأربعين وثلاثمائة ودفن في مقبرة الحيرة". [1]

*ترجمہ:* "علامہ سمعانی نے 'کتاب الانساب' میں ان کی بابت لکھا ہے: احمد بن عبد اللہ بن سعید ابو العاس دیبلی نے طلب علم کے لیے بہت اسفار کیے، یہ درویش، زاہد و عابد تھے اور ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ کے دور میں خانقاہ حسین بن یعقوب میں رہائش پذیر رہے۔ ان کی شادی مدینہ داخلہ میں ہوئی اور بچے بھی ہوئے۔ اس خانقاہ کے اندر ان کے گھر پر نمبر پڑا ہوا تھا۔ پانچوں نمازیں مسجد میں پڑھ کر تب شہر میں اپنے گھر آتے، لباس کے لیے اون استعمال کرتے تھے، بسا اوقات ننگے پاؤں ہی چل پڑتے، انھوں نے بصرہ میں ابو حنیفہ قاضی سے، بغداد میں جعفر بن محمد فریابی سے، مکہ میں مفضل بن محمد جندی اور محمد بن ابراہم دیبلی سے، مصر میں علی بن عبد الرحمٰن اور محمد بن زیان سے، دمشق میں ابو الحسن احمد بن عمیر ابن جوصا سے، بیروت میں ابو عبد الرحمٰن مکحول سے، حران میں ابو عروبہ حسین بن ابو معشری سے، تستر میں احمد بن زہیر تستری سے، عسکر میں حافظ مکرم بن عبدان بن احمد سے اور نیسا پور میں ابو بکر محمد بن خزیمہ اور ان کے ہم عصر علماء سے احادیث کا سماع کیا۔

---

[1] رجال السند والہند، ص 50-57

ان سے حافظ ابو عبد اللہ حاکم نے حدیث کا سماع کیا۔ ان کی وفات نیساپور میں رجب 343ھ میں ہوئی اور تدفین 'مقبرہ حیرہ' میں کی گئی۔"[1]

ایک اور مقام پر عربی زبان کے مشہور ہندستانی شاعر احمد بن حسین رسولپوری کی شخصیت وخدمات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"كان رحمه الله أسمر اللون، طويل القامة، جميل الوجه، لطيف الثياب، حسن الهيئة، يحب الروائح الطيبة، أقلّ الناس تكلفًا، طلقًا، ضاحكًا مضحكًا، خادمًا في الدار، مخدوماً في الخارج، لا يخرج إلا بزيّ العلماء، ويمشي مسرعًا، ويسري وحده في الليل، ويقطع المسافات البعيدة على قدميه، إذ رآه الناس في طريق وعليه العمامة والعباء وبيده العصا وعلى منكبيه المنديل وشعر لحيته ورأسه الوافر تأخذ هيبة العلم والوقار، وإذ رأوه في الدار مشتغلًا في الأشغال الأهلية يستأنسون به ويجدونه خيرهم لأهله.

كان رحمه الله عالمًا جيدًاو طبيبًا حاذقًا، لغويًا فصيحًا بليغًا، شاعرًا مجيدًا، أديبًا فاضلًا، محدّثًا، مفتيًا، صالحًا مصلحًا، وكانت له بصيرة تامة في الفلكيات والرياضي والهندسة والفنون والمعقولة مع مهارة في النحو والصرف، والعروض والمعاني والبيان وأنواع الفنون والعلوم.

وكان في الهدي والسمف آية من آيات السلف، راغبًا في الخير، زاهدًا في الدنيا، ذا أخلاق مرضية عند الخاص والعام، ومحبّبًا بين

---

[1] سندھ وہند کی قدیم شخصیات (رجال السند والہند کا ترجمہ)، ص100-101 (مولانا عبد الرشید بستوی)، مکتبہ خدیجۃ الکبری، اردو بازار کراچی، طبع اول 2005

الأقارب والأعابد، سمحًا جوادًا، كريمًا، طلق الوجه جميل البشرة، كانت داره بيتًا لليتامى وملجأ للأرامل ومأوى للفقراء والمساكين." [1]

ترجمہ: آپ کا رنگ بھورا، قد چھوٹا اور چہرہ روشن تھا کپڑے صاف پہنتے تھے اور خود جاذب نظر تھے۔ آپ خوشبو کو پسند کرتے تھے، لوگوں سے کم بولتے تھے۔ طلاقت لسانی اور ظرافت آپ کی فطرت ثانیہ تھی گھر میں ہوتے تو لوگوں کی خدمت کرتے اور باہر ہوتے تو لوگوں کے مخدوم تھے۔ ہمیشہ علماء کے لباس میں ہوتے۔ تیز چلتے اور رات میں ہمیشہ اکیلے چلتے تھے۔ طویل مسافت کو کم وقت میں طے کر لیتے تھے۔ جب لوگ انھیں اس حال میں دیکھتے کہ ان کے سر پر عمامہ، بدن پر عبا، ہاتھ میں عصا اور کندھے پر رومال اس پر مستزاد آپ کی گھنی داڑھی، تو لوگوں پر ان کی ہیبت طاری ہو جاتی، مگر وہیں جب لوگ انھیں گھریلو کاموں میں مصروف پاتے تو لوگ ان سے مانوس ہو جاتے اور وہ لوگوں سے۔

آپ ایک جید عالم، ایک حاذق طبیب، ماہر زبان اور کہنہ مشق شاعر تھے ماہر ادیب، محدث، مفتی اور نیک اور صالح تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں علم فلکیات، ریاضی، ہندسہ اور دوسرے فنون جیسے نحو، صرف، عروض، معانی اور بیان وغیرہ میں بصیرت تامہ عطا فرمائی تھی۔ ہدایت و تقشف میں آپ اسلاف کا نمونہ تھے۔ خیر کے کاموں میں دلچسپی، دنیا سے بیزاری اور اخلاق عالیہ آپ کی پہچان تھی۔

---

[1] دیوان احمد، ص 8

وہ اپنے اور غیروں دونوں کے بیچ یکساں عزیز و محبوب تھے۔ فراخ دل، شریف اور چہرۂ تاباں آپ کی پہچان تھی۔ آپ کا گھر یتیموں کا ملجا، بیواؤں کا ماویٰ اور فقرا و غربا کا مسکن تھا۔

## قاضی اطہر صاحب بحیثیت صحافی:

قاضی صاحب کی سوانح کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ صحافت کے میدان میں گذارا، اور یہ حقیقت بھی ہے جس سے نہ تو انکار ہی کیا جاسکتا اور نہ ہی اختلاف، مگر جب ہم ان کی زندگی کا گہرائی سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ انھوں نے صحافت کو صرف ذریعہ معاش کے طور پر اختیار کیا تھا اور نہ بذات خود صحافت میں ان کی کوئی دلچسپی نہ تھی، اور جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ یہ میدان کذب و خیانت سے خالی نہیں ہے، قاضی صاحب خود اس پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کی دلچسپی کبھی اس بات میں نہیں رہی کہ وہ صحافت کو دوسرے علمی میدانوں پر فوقیت دیں اور اس کو اختیار کریں:

> ''میں بمبئی تلاش معاش میں آیا تھا، اس کے ساتھ اپنی علمی حیثیت کو بچانا چاہتا تھا، اس لیے صحافت اور اخبار نویسی کو میں نے علمی اور دینی مشغلہ کے طور پر اختیار کیا اور پیشہ ور صحافی بننا پسند نہیں کیا۔''[1]

جاہ و مال کے متعلق اپنی عدم دلچسپی کے بارے میں فرماتے ہیں:

[1] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص 125، ماہنامہ رسالہ ''ضیاءالاسلام''، 8/3-96/12

"'انقلاب' اور 'البلاغ' کی وجہ سے میرا تعارف شہرت کی حد تک ہر طبقہ میں ہو گیا۔۔۔ کیونکہ میں خدمت کے طور پر بے لوث کام کرتا تھا، سیٹھوں اور مالداروں سے دور رہ کر اپنے علمی کاموں میں مصروف رہتا تھا۔"

مزید فرماتے ہیں:

"۔۔۔ مگر میرا مقصد دولت کمانا نہیں تھا، بلکہ دولت کے شہر میں رہ کر علم دین کی خدمت تھا۔"[1]

اسی سلسلے میں مزید نقل کرتے ہیں:

"اب دنیا میں کمانے کے مواقع پیدا ہونے لگے تھے مگر ان کی طرف[2] بالکل توجہ نہیں کی۔"[3]

گرچہ قاضی اطہر مبارکپوری صاحب نے مختلف اخبارات کی ادارت کی اور یہ سلسلہ نوجوانی سے لے کر زندگی کے آخری ایام تک جاری رہا، مگر انھوں نے اس میدان کو خاص میدان کے طور پر منتخب نہیں کیا، بلکہ جس خاص میدان کو اختیار کیا اور ان کا پسندیدہ میدان بھی رہا وہ عرب وہند کے مابین عہد جاہلی سے عہد عباسی تک تعلقات پر مبنی تاریخ کا میدان ہے، لہذا یہ ان کا ایک ایسا علمی کارنامہ ہے جس کی نظیر نہ تو ہندستانی مسلم علماء کے پاس ہے نہ بیرون ہند دوسرے ممالک کے علماء کے پاس۔

## قاضی اطہر صاحب بحیثیت مترجم:

---

[1] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص159

[2] کاروان حیات سے لی گئی عبارت میں اصل ان ہے یا اس، اس کی تحقیق کریں

[3] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص126

قاضی صاحب نے بعض عربی رسالوں کا ترجمہ کیا،ساتھ ہی بہت سے عربی و فارسی مقالات کا بھی اردو زبان میں ترجمہ کیاہے،اس کے علاوہ قاضی صاحب نے علمائے عرب کے خطبات و مقالات اور ان کے اقوال کا برجستہ ترجمہ کیاہے، جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ وہ عربی وفارسی سے اردو اور اس کے برعکس عربی وفارسی زبانوں میں ترجمہ کرنے کی بھرپور قدرت وصلاحیت رکھتے تھے۔ مفتی عتیق الرحمن عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

> "[قاضی صاحب کی] دوسری خصوصتیوں سے قطع نظر کتاب کی سب سے اہم خصوصیت اس کی بے شمار عربی عبارتیں ہیں ۔۔۔ اور ان عبارتوں کا نہایت سلیس اور شگفتہ ترجمہ کیا گیا ہے۔"[1]

مولانا اعجاز احمد اعظمی لکھتے ہیں:

> "قاضی صاحب نے اپنے مقاصد اور دعاوی کے لیے عربی اشعار سے بھی بکثرت شہادت بہم پہنچائی ہے۔ قاضی صاحب نے اشعار کے ترجمے بھی کیے ہیں، یہ بھی ایک مشکل کام ہے۔"[2]

مولانا کے عربی مقالات کی کثرت کے باوجود ، ہم ان کے نمونے یہاں پیش نہیں کررہے ہیں، بلکہ سند کے طور پر مذکورہ بالا علمائے کبار کی آرا ہی کافی سمجھتے ہیں۔

## جماعتوں کی رکنیت اور رسالوں کی ادارت:

---

[1] عرب وہند عہد رسالت میں، ص6، سہ ماہی مجلہ "ترجمان الاسلام"، 28-29، اکتوبر 1996-مارچ 1997، ص117

[2] سہ ماہی مجلہ "ترجمان الاسلام"، 28-29، اکتوبر 1996-مارچ 1997، ص117

علمی منزلت اور شہرت کے باوجود قاضی صاحب نے گمنامی اور سادگی کی زندگی کو ترجیح دی، نام و نمود اور خود نمائی کو کبھی پسند نہیں کیا، اس کے باوجود لوگوں نے ان کے ذاتی تجربات سے خوب استفادہ کیا اور اپنی تنظیموں اور جماعتوں کا انہیں رکن بنایا اور ان کے نام سے اپنے مجلات کی مجلس ادارت کے وقار کو افزوں کیا اور اعزازی مدیر بنایا، ایسی جماعتوں، اداروں اور رسائل و جرائد کی طویل فہرست ہے جن سے قاضی صاحب کا تعلق رہا ان میں سے چند کے نام ذیل میں ذکر کیے جا رہے ہیں:

1. جمعیۃ الطلبہ مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور اعظم گڑھ، الہند کی جانب سے شائع ہونے والے قلمی رسالہ 'الاحیاء' کے مدیر
2. رسالہ 'رابطۃ الادباء' مبارکپور اعظم گڑھ، الہند کے مدیر
3. لاہور (پاکستان) سے شائع ہونے والے روزنامہ 'زمزم' کے نائب مدیر
4. بہرائچ اتر پردیش سے شائع ہونے والے 'الانصار' اخبار کے مدیر
5. جمعیۃ علمائے ہند، شاخ ممبئی سے شائع ہونے والے روزنامہ 'جمہوریت' کے نائب مدیر
6. ممبئی سے شائع ہونے والے روزنامہ 'انقلاب' کے نائب مدیر
7. ممبئی سے شائع ہونے والے ہفتہ وار اخبار 'البلاغ' کے مدیر
8. کویت کے وزارت نشر و اشاعت کے زیر نگرانی چلنے والے ادارہ 'احیاء التراث العربی' کے ثقافتی مشیر (کلچرل کاؤنسلر Cultural Councelor)
9. 'بناء الادب' تنظیم کے سکریٹری

10. جمعیت علماء مہاراشٹرا، ممبئی کے صدر

11. مہاراشٹرا دینی و مذہبی تعلیم کمیٹی، ممبئی کے صدر

12. 'خدام النبی' تنظیم کے رکن

13. جامع ممبئی کے تحت رویتِ ہلال کمیٹی کے رکن

14. آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے فاؤنڈر ممبر

15. شیخ الہند اکیڈمی دیوبند، ہند کے نگراں

16. 'دارالمصنفین' اعظم گڑھ، ہند کے اعزازی رفیق

17. دارالمصنفین وقف بورڈ اعظم گڑھ، ہند کے رکن

18. 'دارالعلوم تاج المساجد' بھوپال کی مجلس شوری کے رکن

19. دارالعلوم ندۃ العلماء، لکھنؤ کی مجلس شوری کے رکن

20. دارالعلوم دیوبند کے مجلس علمی کے رکن

21. 'جامعہ اشرفیہ' نیا بھوجپور، بہار کی مجلس شوری کے رکن

22. ندوۃ المصنفین دہلی سے ماہانہ شائع ہونے والے مجلہ 'برہان' کے اعزازی مدیر

## صورت وسیرت:

قاضی اطہر صاحب میانہ قد، گھنی داڑھی، کشادہ جبین، متوازن جسم، نہ بہت دبلے اور نہ بہت موٹے، گندمی رنگ، قوی الحافظہ، ذہین اور اپنے ملنے جلنے والوں کو بہت دنوں تک

یادرکھنے والے آدمی تھے۔ان کی بینائی بچپن سے ہی کمزور تھی اور کثرتِ مطالعہ نے اس میں مزید اضافہ کردیا۔اس لیے ان کی آنکھوں پر ہمیشہ ڈاکٹروں کا تجویز کردہ بہت پاور کا موٹے شیشے والا چشمہ رہتا تھا۔[1] جہاں تک ان کی سیرت کا سوال ہے تو وہ حضور ﷺ کے اس قول کا جیتا جاگتا نمونہ تھے: [بعثتُ لأتمّم مكارم الأخلاق: میں بھیجا گیا ہوں تاکہ بہترین اخلاق کی تکمیل کردوں][2]

سنت نبوی ﷺ کے پیروکار ہونے کے ساتھ قاضی اطہر صاحب میں بعض اخلاق و صفات ایسی تھیں جن پر ان کے معاصرین نے ان کی تعریفیں کی ہیں۔ان کے ہی ایک ہمعصر محمد نعیم صدیقی (ابوظبی) لکھتے ہیں:

"میرے لیے بعض وقت یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ قاضی صاحب کے کردار و اخلاق کا پلہ بھاری ہے یا ان کے علمی و تصنیفی فضل و کمال کا۔"[3]

مولانا مطیع الرحمٰن عوف ندوی فرماتے ہیں:

"قاضی صاحب عجیب و غریب شخصیت کے مالک تھے۔"[4]

مولانا کے اخلاق و صفات کے بارے میں دوسرے لوگوں نے جو کچھ بیان فرمایا ہے ہم ان کو ذکر کر رہے ہیں:

---

[1] سہ ماہی مجلہ ترجمان الاسلام"، 28-29، اکتوبر 1996-مارچ 1997، ص 202، ماہانہ مجلہ "الداعی" 15/3/20

[2] مؤطا امام مالک، حدیث نمبر: 750

[3] ماہنامہ رسالہ "ضیاء الاسلام"، 8/3-301/12

[4] ماہنامہ رسالہ "ضیاء الاسلام"، 8/3-305/12

1. سادگی: قاضی اطہر صاحب حد درجہ سادہ لوح تھے، یہاں تک کہ ان سے ملنے والے ان کے ان لباس یا طرز حیات سے ان کی شناخت نہیں کر پاتے تھے۔ شاہ معین الدین ندوی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حسب عادت کوئی صاحب ان سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے اور قاضی صاحب اس وقت لیٹے ہوئے تھے، انھوں نے قاضی صاحب کے بارے میں دریافت کیا تو قاضی صاحب نے اٹھ کر اپنا کرتہ زیب تن کیا اور فرمایا: "میں ہی قاضی اطہر ہوں جس سے آپ ملنے کا قصد رکھتے ہیں۔" وہ صاحب کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ میں صرف آپ سے ملنے کے لیے احمد آباد سے آیا ہوں۔ [1]

مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی فرماتے ہیں:

"میں قاضی صاحب کے ارشادات سن رہا تھا۔۔۔ دل و دماغ محو حیرت تھے، ذہن میں قاضی صاحب کی شخصیت کا جو تصور تھا قاضی صاحب اس سے سراسر مختلف نکلے، ایسی سادگی، ایسی تواضع ایسی مسکنت ایسی محبت جو خال خال ہی نظر آتی ہے، قاضی صاحب کی بات چیت لباس اور طرز معیشت و معاشرت سے کبھی نہیں جھلکتا تھا کہ اتنے بڑی آدمی ہیں۔" [2]

2. قوت ارادی: قاضی اطہر صاحب مضبوط ارادہ کے مالک اور عزم مصمم کے پیکر تھے۔ جب کسی چیز کا ارادہ کر لیتے تو پورا کر کے ہی دم لیتے، استقلال اور مستحکم ارادہ ہی کی وجہ سے انھوں نے عظیم خدمات انجام دیں ورنہ فرد واحد کے لیے ایسا کر گزرنا ممکن نہیں تھا۔ اس سلسلے میں پروفیسر واصل عثمانی لکھتے ہیں:

---

[1] ماہنامہ رسالہ "ضیاء الاسلام"، 270/12-8/3

[2] ماہنامہ رسالہ "ضیاء الاسلام"، 281/12-8/3

"قاضی صاحب میں بے مثال قوت ارادی پائی جاتی تھی جس کام کا ارادہ کر لیتے تھے اسے مکمل کر کے ہی دم لیتے تھے۔آپ نے اپنی زندگی میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے کتابوں کی تصنیف وتالیف کے علاوہ رسالوں کی ادارت بھی کی صحافت کا بھی حق ادا کیا۔"[1]

مولانا عتیق احمد صاحب قاسمی فرماتے ہیں:

"قاضی صاحب کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت ہے،انھوں نے ابتدائی عمر میں علمی کارناموں کا جو نقشہ بنایا، زندگی بھر انھیں نقشوں میں رنگ بھرتے رہے۔۔۔گھریلو پریشانیاں اور معاشی تنگی ان کے حوصلوں کو پست اور عزائم کو سرد نہ کر سکیں۔"[2]

3. **وسعت فکر**: عام فکری وفقہی مسالک کے متبعین میں یہ ایک بڑا عیب ہے کہ وہ اپنے علاوہ کسی مسلک کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے بلکہ حقیر گردانتے ہیں جبکہ پاکباز اور کبار علماء نے بھی ان مسالک کی پیروی کی ہو، مسلکی وفکری تعصب ایک ایسی چیز ہے جس سے دلائل اور قلب سلیم رکھنے والا بھی بری نہیں ہے، قاضی اطہر صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے گرچہ ایک خاص مسلک کی اتباع کی مگر دوسرے مسالک کے تئیں ان کے یہاں عصبیت نام کی کوئی چیز نہیں تھی،بلکہ وہ تمام فقہی و فکری مسالک کے متبعین کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے،انہی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"میں فقہ کے درس میں اکثر امام شافعیؒ کی حمایت کرتا تھا،اور استاذ مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے اکثر سوچتا تھا کہ متاخرین ائمہ احناف خصوصاً

[1] سہ ماہی مجلہ "ترجمان الاسلام"،30،اپریل، مئی، جون 1997ص 61

[2] سہ ماہی مجلہ "ترجمان الاسلام"،30،اپریل، مئی، جون 1997ص 69

علماء ماوراء النھر کی کتابیں کیوں نہیں پڑھائی جاتی ہیں۔ قدماء کی امہات کتب کہاں ملیں گی جن میں فقہ حنفی کی صاف ستھری روح موجود ہے اور فروعات کا استخراج احادیث وآثار سے کیا گیا ہے۔"[1]

ان کے قول کی تائید ان کے ہم عصر مولانا ضیاءالدین اصلاحی کے اس قول سے بھی ہوتی ہے:

"بڑے فراخ دل، کشادہ قلب اور وسیع المشرب تھے۔ ان کے دل میں ہر طبقہ و مسلک اور ہر مذہب و ملت کے لوگوں کے لیے یکساں گنجائش تھی، تعصب، تنگ نظری، تحزب اور فرقہ آرائی کی لعنتوں نے ان کے قلب کو داغ دار نہیں کیا تھا۔ وہ ہر طبقہ فکر اور ہر حلقہ خیال کے لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھتے تھے اور ان کے اصحاب فضل و کمال کی قدر کرتے تھے۔"[2]

4. **وطن اور بیرونِ وطن میں پذیرائی:** یہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ کہ جن حضرات کو وطن سے باہر عزت و شہرت ملتی ہے ان کو وطن میں وہ مقام حاصل نہیں ہوتا ہے اور یہ بات بہت ہی شاذ و نادر ہے کہ وطن سے باہر شہرت یافتہ شخص کو یکساں طور پر وطن میں بھی شہرت حاصل ہو جائے، مگر قاضی صاحب کے ساتھ معاملہ ذرا مختلف رہا، ان کے کارناموں کی پذیرائی جس طرح وطن میں ہوئی اسی طرح ان کی شہرت و ناموس کا چرچا وطن کے باہر بھی رہا۔ قاضی صاحب کی اس خوبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا ضیاءالدین اصلاحی نقل کرتے ہیں:

---

[1] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص34

[2] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 8/3-286/12

"عموماً افراد و اشخاص کو ان کے وطن کے باہر چاہے کیسی ہی غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل ہو لیکن خود ان کے وطن میں ان کی کوئی پرسشش اور پذیرائی نہیں کی جاتی، مگر ہمارے قاضی صاحب کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی، ان کی ہر دل عزیزی و محبوبیت جس طرح وطن کے باہر تھی اسی طرح ان کے وطن میں بھی تھی، اس سے ان کی سیرت و کردار کی عظمت و بلندی کا پتہ چلتا ہے۔"[1]

5. **غیرت و حمیت:** قاضی اطہر مبارکپوری صاحب انتہائی درجہ کے غیر تمند اور صاحب قناعت انسان تھے، ان کے اندر غضب کی شان استغنا تھی، انھوں نے کبھی بھی اپنے ضمیر کا سودا نہیں کیا۔ انھوں نے اپنے علم کو نہ تو سستے داموں بیچا اور نہ ہی کبھی اس کو مال و دولت کا ذریعہ بنایا۔ ۔آپ ہمیشہ جھونپڑی کو محل پر اور فقر و فاقہ کو امیری و مالداری پر ترجیح دیتے تھے، مولانا مختار احمد ندوی فرماتے ہیں:

"قاضی صاحب نے کبھی اپنے علم کا رعب نہیں جمایا، اور نہ اپنے خداداد علم کو دنیا کی پونجی بنایا، وہ چاہتے تو علم کی جس بلندی پر تھے دنیا ان کے پیچھے پیچھے دوڑتی اور زینہ بزینہ اس سے زیادہ مادی ترقی کے مینار پر ان کو پہونچا دیتی۔ قاضی صاحب ایک مثالی انسان تھے انھوں نے بمبئی کے سیٹھوں کو کبھی منہ نہیں لگایا یا کسی کے پاس اپنی یا اپنی اولاد کی کوئی ضرورت لے کر نہیں گئے،

---

[1] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 287-286/12-8/3

انتہا درجہ کے خوددار، غیرت منداور حساس آدمی تھے، قناعت اور صبر و تحمل
ان کی عادت تھی۔" [1]

مولانا ضیاءالدین اصلاحی رقمطراز ہیں:

"خاکساری اور سراپا عجز و فروتنی کے باوجود ان میں بڑی غیرت و خودداری
بھی تھی، طبیعتاً نہایت مستغنی اور بے نیاز واقع ہوئے تھے، ہمیشہ علم کے
وقار و عظمت کا خیال رکھتے، کبھی اپنے علم کا سودا نہیں کیا۔" [2]

6. **خوردوں کی عزت اور ان کی حوصلہ افزائی:** قاضی اطہر مبارکپوری صاحب ہمیشہ خوردوں سے شفقت اور ماتحتوں سے تکریم کے ساتھ پیش آتے تھے، ان کے کاموں کو پسند کرتے اور عزت کی نگاسے دیکھتے تھے۔ اکابر کے کارناموں کے ذریعہ ان کے اندر لکھنے پڑھنے کا حوصلہ پیدا کرتے۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی رقمطراز ہیں:

"وہ اپنے خوردوں اور نیازمندوں سے بھی بڑی گرم جوشی اور تپاک سے ملتے
تھے اور ہمیشہ ان کی حوصلہ افزائی کرکے ان کا دل بڑھاتے اور ان کی دل
جوئی کرتے تھے۔" [3]

مولانا مطیع الرحمٰن عوف ندوی فرماتے ہیں:

---

[1] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 271/12-8/3

[2] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 286/12-8/3

[3] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 285/12-8/3

"۔۔۔ یہ ان کی عظمت تھی کہ وہ چھوٹوں اور خردوں کو آگے بڑھانا چاہتے تھے،اسی وجہ سے وہ ان کو پکڑ کر چلنا سکھاتے تھے۔"[1]

7. **اولاد کا خیال و تربیت:** قاضی اطہر مبارکپوری صاحب اپنی اولاد کے ذوق و شوق اور خواہشات کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے،اولاد سے محبت کا یہ حال تھا کہ آپ تنہا کبھی کوئی عمدہ و لذیذ چیز صرف اس وجہ سے تناول نہیں فرماتے کہ ان کے بچے اس طرح کی چیزوں کی لذت سے محروم ہیں۔ان کے صاحب زادے قاضی ظفر مسعود اس بات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قاضی صاحب ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ میرے بچوں کو یہ احساس نہ ہو کہ ہمارے گھر آج کھانے کو نہیں ہے، ہمارے والدین سخت پریشانیوں سے گذر رہے ہیں اس کے لیے وہ تم [ہم] لوگوں کو پکوا کر کھلاتے تھے اگرچہ میاں بیوی خود بھوکے رہتے تھے، [مگر ہم سے] کہتے تھے کہ میں نہیں چاہتا کہ میرے بچے احساس کمتری میں ابھی سے مبتلا رہیں اور ان کی نشو و نما پر اس کا اثر پڑے۔"[2]

قاضی صاحب اپنے ایک دوست صدیق احمد سے کہتے ہیں کہ:

"پھر دوسری بات یہ کہ تم میرے اپنے ہو۔اس لیے بتا دیتا ہوں کہ مبارکپور میں میرے بچے تو ایسا نہیں کھاتے ہوں گے۔اور میں یہاں کھایا کروں۔"[3]

---

[1] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"،307/12-8/3

[2] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"،267/12-8/3

[3] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"،262/12-8/3

ان کے صاحب زادے قاضی ظفر مسعود لکھتے ہیں:

"ہر وہ چیز جو ہم چاہتے تھے بہتر سے بہتر پہلی فرصت میں بھیج دیا کرتے تھے۔"[1]

ایک اور جگہ قاضی صاحب بذات خود رقمطراز ہیں:

"مجھ پر جو شرعی ذمہ داری ہے تعلیم کی، شادی کی، اور روزگار کے ساتھ لگا دینے کی، وہ ان شاءاللہ سب پورا کروں گا۔"[2]

8. **قول کے پکے:** قاضی اطہر مبارکپوری صاحب جو کہہ دیتے وہی کرتے تھے، اپنے قول سے کبھی پھرتے نہیں تھے، پس وہ اپنی زبان سے کہے ہوئے الفاظ کا عملی پیکر تھے اور ان کا دل ان کی زبان کے مطابق عمل کرتا تھا جیسے ان کی زبان ان کے قول کے تابع ہوتی تھی، ان کے دوست صدیق احمد لکھتے ہیں:

"۔۔۔ مگر اس بندۂ خدا نے جب نہ کہہ دیا تو نہ ہی رہی ان کی ہاں نہ ہو سکی۔"[3]

9. **تنقیدوں کو قبول کرنے والے:** بڑی بڑی شخصیات میں اوصاف حمیدہ کے ساتھ جس چیز کا فقدان پایا جاتا ہے وہ یہ کہ اپنے اوپر کی گئی تنقیدوں کا اعتراف نہ کرنا ہے، چنانچہ اس طرح کے افراد اکثر کسی بھی طرح کی تنقید کو برداشت نہیں کر پاتے بلکہ بعض دفعہ تو ناقد پر حد درجہ غضبناک ہو جاتے ہیں، یہ بیماری خاص طور سے برّصغیر میں زیادہ عام ہے، جہاں یہ مثل عام ہے کہ 'خطائے بزرگان گرفتن

---

[1] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 269/12-8/3

[2] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 269/12-8/3

[3] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 261/12-8/3

خطاست'(بزرگوں کی خطاپر تنقید خود اپنے آپ میں ایک خطا ہے)، مگر قاضی اطہر صاحب کی خوبیوں میں سے یہ بھی ایک بڑی خوبی تھی کہ وہ نہ صرف اپنے اوپر کی گئی تنقیدوں کا خیر مقدم کرتے تھے بلکہ جن مقامات پر ان کے معاصرین ان کی کسی کمی یا نقص کی طرف توجہ دلاتے تو وہ اس بات کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیتے اور اپنے تحریر و قول میں معترض کے اعتراض کے مطابق تبدیلی فرمادیا کرتے تھے۔ مولانا ضیاءالدین اصلاحی مولانا کی اس خوبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ظاہر ہے کہ جس شخص کے علمی و تحقیقی کام اتنے وسیع، گوناگوں اور متنوع ہوں اس سے اگر کچھ غلطیاں اور فروگذاشتیں بھی ہو گئی ہوں تو اس میں نہ کوئی حیرت کی بات ہے اور نہ ان کی وجہ سے ان کی عظمت و کمال میں کوئی فرق آسکتا ہے۔ قاضی صاحب کی خوبی اور قابل ذکر خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے اوپر تنقید کو خندہ روئی اور بشاشت سے برداشت کر لیتے تھے۔ اگر ان کی فروگذاشتوں کی جانب توجہ دلائی جاتی تھی [تو] وہ اس کا برا نہیں مانتے تھے بلکہ جائز اور درست تنقیدوں کا خیر مقدم کرتے تھے۔ ان کی کتاب مآثر و معارف ان کے مضامین کا مجموعہ ہے۔ (جس میں بعض مضامین کے ساتھ وہ تنقیدیں بھی شامل ہیں جو اہل علم نے ان پر کی ہیں)۔"[1]

10. **تفنن طبع**: قاضی اطہر مبارکپوری صاحب علم و ادب اور فن میں بلند مرتبے کے باوجود ان کی شخصیت میں ظرافت و تفنن کے عناصر بھی تھے، ان کی شخصیت باغ و بہار تھی۔ وہ اپنی باتوں سے غمزدہ لوگوں کو ہنسنے پر مجبور کر دیتے تھے، اور اپنے عمدہ

---

[1] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 289/12-8/3

اور مضحکہ خیز کلام سے لوگوں کا دل جیت لیا کرتے تھے، مولانا مطیع الرحمٰن عوف ندوی فرماتے ہیں:

"قاضی صاحب کی طبیعت باغ و بہار تھی جس مجلس میں بیٹھتے تھے ایسا نہیں تھا کہ ان کی وجہ سے تکلف کے باعث مجلس پھیکی ہو جاتی وہ فوراً بے تکلف ہو جاتے اور مجلس میں ایک زندگی دوڑا دیتے۔"[1]

مولانا افضال حق جوہر قاسمی اعظمی فرماتے ہیں:

"قاضی صاحب کے مزاج میں ظرافت بھی خوب تھی اور اسی ظرافت نے ان کے موضوع کے روکھے پن میں بھی ان کی شگفتگی قائم رکھی، ایک مرتبہ میں نے ممبئی زبان میں گفتگو شروع کر دی تو انھوں نے بھی بالکل اسی لہجے میں جواب دینا شروع کر دیا گرچہ یہ لہجہ پڑھے لکھے طبقہ کا نہیں ہے۔"[2]

مولانا نعیم صدیقی فرماتے ہیں:

"وہ برجستگی و بے تکلفی کو عملی طور پر اس حد تک برتتے ہیں کہ ان کا خوردوں کے ہاتھوں سے کبھی کبھی ادب و احترام کا سررشتہ چھوٹ جاتا ہے۔"[3]

## قاضی اطہر صاحب محققین و باحثین کے لیے قابل تقلید ہیں:

ہم چاہتے ہیں کہ قاضی صاحب کی زندگی کے ان مصائب اور پریشانیوں کا بھی جائزہ لیں جن سے قاضی اطہر صاحب اپنی زندگی اور بحث و تحقیق کے دوران دوچار ہوئے، اس کا

[1] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 307/12-8/3

[2] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 242-241/12-8/3

[3] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 301/12-8/3

مقصد صرف یہ ہے کہ طلبہ اور اسکالر، ان کی اس زندگی سے سبق حاصل کریں۔ مصائب و مشکلات سے گھبرا کر اپنے علمی اور تحقیقی کاموں کو نہ چھوڑیں بلکہ زندگی کے ناگفتہ اور ہمت شکن حالات میں بھی وہ کر گزریں جیسا کہ قاضی صاحب نے کیا۔ قاضی اطہر صاحب خود اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں اپنے طالب علمی کی یہ کہانی خود ستائی اور خود نمائی کے لیے نہیں لکھی ہے۔ عزیز طلبہ اس تحریر کو اس نقطۂ نظر سے نہ پڑھیں بلکہ اس کو پڑھ کر آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کریں۔"[1]

یہ ہم جیسے طالب علموں اور ریسرچ اسکالروں کے لیے نہایت ہی عبرت کا مقام ہے۔ عیش و عشرت سے زندگی گزارنے کے باوجود ہماری تحقیقات و بحوث کس معیار کی ہیں، جبکہ قاضی صاحب کی بحث و تحقیق کا معیار کیا تھا؟۔ ایک جگہ وہ اپنی طالب علمی کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"طالب علمی کا تقریباً پورا دور عسرت اور تنگی میں گذرا، کھانے پینے اور پہننے میں کفایت شعاری اور سادگی ہی رہی اس وقت آج کل کی طرح معاش و معیشت کی فراوانی و فراخی نہیں تھی۔ عام طور سے لوگ روکھی پھیکی زندگی کے عادی تھے، اس لیے تنگ دستی اور غربت کا احساس نہیں تھا بلکہ سب لوگ اسی زندگی پر راضی وخوش رہا کرتے تھے۔ اس میں بڑی خیر و برکت تھی۔ میں بھی ہر معاملہ میں اپنے ذوق وشوق کے مطابق سامان مہیا کر لیا کرتا تھا اور کبھی احساس کمتری کا شکار نہیں ہوا۔"[2]

---

[1] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 6/12-8/3

[2] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 37/12-8/3

قاضی صاحب اپنی عملی زندگی کی تگ و دو اور ملازمت کی جد و جہد کے حوالہ سے ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"فراغت کے بعد ملازمت کی تلاش شروع ہوئی، مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو دہلی لکھا کہ آپ قرآن کی تعلیم و تفہیم کا ادارہ جاری کرنے والے ہیں، میں بھی اس میں داخلہ کا امیدوار ہوں، مولانا نے جواب دیا کہ قوم کی بے توجہی سے اب تک اس کا انتظام نہیں ہو سکا ہے، اگر ادارہ جاری ہوا تو آپ کا خیال رکھا جائے گا، بات آئی گئی ہوئی، مولانا شکر اللہ صاحب کے مشورہ سے مولانا محمد منظور نعمانی کو لکھا کہ "دفتر الفرقان" میں جگہ ہو تو مجھے رکھ لیں، انھوں نے ٹیلیگرام کے ذریعہ لکھنؤ بلایا، اور جب گیا تو کہا کہ ندوۃ العلماء میں ہر جمعرات کو اجتماع ہوتا ہے، آپ اس میں میری تقریر نوٹ کریں، بیس روپیہ ماہوار ملے گا، یہ سوچ کر کہ "لکھنؤ میں رہیں گے پر کھائیں گے کیا"، مایوسی کے بعد دفتر جمعیت علماء صوبہ یوپی میں گیا اور کہا کہ جمعیت علماء میں نشر و اشاعت کا شعبہ ہے، اس میں گنجائش ہو تو مجھے موقع دیں۔ مولانا بشیر احمد بھٹہ صدر تھے، انھوں نہ کہا کہ فی الحال یہ شعبہ جاری نہیں ہے، پھر انھوں نے کہا کہ آپ جمعیۃ کے لیے سفارت قبول کر لیں چندہ کی رقم سے آپ کی تنخواہ اور جمعیت علماء کی آمدنی سے دونوں کا کام چلے گا، اس پیشکش کو بھی قبول نہ کر سکا۔۔۔ اس درمیان میں برما کے جیل افسر آئے، ان کو ایک دینی عالم کی ضرورت تھی۔۔۔۔ تنخواہ وغیرہ گورنمنٹ دے گی، میں نے ان کی ایک دن دعوت بھی کی تھی، مگر واپسی کے بعد وہاں سے کوئی خط نہیں آیا۔

جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو مولانا شکر اللہ صاحبؒ نے مدرسہ کے چندہ کے لیے بستی بھیجا۔۔۔ واپسی پر مولانا نے کہا کہ مدرسہ احیاء العلوم میں تم ایک سال حسبۃً للہ پڑھاؤ تو تم کو استحقاق ہو جائے گا اور عربی درجہ میں لے لیے جاؤ گے، مرتا کیا نہ کرتا، والد صاحب کے مشورے کے بعد مجبوراً حسبۃً للہ مدرس بن گیا۔"[1]

قاضی صاحب امر تسر کے سفر کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ:

"۔۔۔۔ غروب کے قریب جب امر تسر پہنچا تو معلوم ہوا کہ مولانا نورالحسن صاحب [جنھوں نے مجھے بلایا تھا] لاہور گئے ہیں کل آئیں گے، ایک صاحب نے ایک کمرہ کی طرف اشارہ کیا کہ اس میں سامان رکھو۔

بھوک کی شدت تھی، میں سامان رکھ کر باہر نکلا کہ کہیں ہوٹل ہو تو کچھ کھا پی لوں، مگر بالکل اجنبی تھا، راستہ بھول جانے کے ڈر اور زبان نہ جاننے سے، قریب ہی ایک دوکان دیکھی، اندازہ ہوا کہ کھانا ملتا ہے، اوپر گیا، یہ انتہائی گندہ، عامی ہوٹل تھا، چٹائی کی درازوں میں کالی کالی مٹی جمی ہوئی تھی، اس پر بیٹھنا اور کھانا بڑی بد ذوقی کا مظاہرہ تھا، مگر اجنبیت اور بھوک نے اس کو گوارا کیا، دو روٹی اور دال کی قیمت 2 آنے تھی، مالک نے کہا یہاں دال کا پیسہ نہیں لیا جاتا دو روٹی دو آنے کی ہے۔ وہاں سے نکل کر میں نے ایک چراغ خریدا اور اس میں تیل ڈالا، اور کمرے میں آکر بتی تلاش کی، اس طرح چراغ جلا کر مسافرت کی پہلی رات کا استقبال کیا۔"[2]

---

[1] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 8/3-12/41-42

[2] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 8/3-12/49

ایک اور واقعہ لکھتے ہیں جب وہ ایک بیل پر گر پڑے:

"ایک مرتبہ "زمزم" میں مضمون دے کر امر تسر آیا تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی اہم تبدیلی ضرور ہوئی ہے، اس لیے چار بجے رات کو جانا پڑا۔۔۔ راستے کی بجلی بجھی ہوئی تھی، اندھیرا گھپ تھا، میں اس میں آہستہ آہستہ جا رہا تھا بیچ راستے میں ایک بیل بیٹھا تھا، میں اس پر گر پڑا اور بیل گھبرا کر بھاگنے لگا، نہ میں اس کو دیکھتا تھا، اور نہ وہ مجھ کو دیکھتا تھا، دونوں ایک دوسرے سے ڈرتے تھے، میں درمیان میں نہ ادھر جاسکتا تھا نہ ادھر جاسکتا تھا، پھر ڈرتے ڈرتے آگے بڑھتا رہا، حتیٰ کہ بخیر و عافیت یہ خطرناک منزل طے ہو گئی۔"[1]

ایک اور جگہ بیان فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ وہ [ابو سعید بزمی] اس حال میں آگئے کہ میں اور ایک ساتھی چائے پی رہے تھے، میں کپ میں پی رہا تھا، اور ساتھی کپ نہ ہونے کی وجہ سے لوٹے میں پی رہا تھا، بزمی صاحب نے یہ منظر دیکھ کر کہا کہ مولانا! بہت خوب، اب بھی آپ لوگ کبھی کبھی طالب علمی کا لطف اٹھا لیتے ہیں۔"[2]

مدرسہ میں تدریسی ملازمت کے متعلق کہتے ہیں:

"خالد کمال اور انور جمال دو بچے تھے، اور زوجین کل چار نفر تھے، انور جمال کو بچپن ہی سے "خنازیر" کا مریض تھا، اسی تنخواہ میں گزر بسر کرنا تھا، اور بچہ کا علاج بھی، اس دور میں ایسا بھی ہوا کہ آٹا گھول کر اور نمک کے

---

[1] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 51/12-8/3

[2] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 57/12-8/3

ساتھ پکاکر وقت کاٹ لیا، بسا اوقات سالن کی جگہ پیاز، لیموں، مرچ اور نمک کا کچومر استعمال کیا۔"[1]

ایک عرب جو ان سے ملاقات کی غرض سے کویت سے آیا تھا، ان کے کتابوں سے بھرے اور ٹوٹے پھوٹے کمرے میں بیٹھنا گوارا نہ کیا،اس کا ذکر کرتے ہوئے قاضی صاحب خود رقم طراز ہیں:

"۔۔۔کویت کے ایک صاحب جو بمبئی آرہے تھے، [نمر صاحب نے] میرا پتہ دے کر ملاقات کرنے کی تاکید کی تھی۔۔۔دروازہ کھولا، سلام کے بعد بیٹھنے کو کہا تو انھوں نے کہا کہ کہاں بیٹھوں؟ میں نے کرسی کھول دی مگر وہ کھڑے رہے اور کہنے لگے کہ میں تاج محل (ہوٹل) کے فلاں کمرے میں مقیم ہوں، وہاں ملیے، میں نے اچھا کہا مگر ملنے کے لیے نہیں گیا۔۔۔۔اپنے موجودہ عربی ذوق کے مطابق ذہن میں بلند خیالات رہے ہوں گے مگر یہاں گراپڑا کمرہ، ٹوٹی گندی چٹائی اور کتابوں کا ڈھیر دیکھ کر ان کو وحشت ہوئی ہوگی۔"[2]

ایک مقام پر قاضی صاحب کے ایک دوست لکھتے ہیں:

" قاضی اطہر صاحب مہینوں دال کھاتے تھے (بیٹا مہینوں دال پکتی تھی)۔ اور ایسی کہ تم ہم، تمہارے ہمارے بچے، اسے دال نہیں دال کا دھون ہی سمجھیں گے۔"[3]

[1] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 45/12-8/3

[2] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 115/12-8/3

[3] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 261/12-8/3

اپنے قرض نہ لینے کی طرف اشارہ کرتے کہتے ہیں:

''آمدنی کے مطابق خرچ کرنا اقتصاد ہے، جو نصف معیشت ہے، میں نے اس دور میں کسی سے قرض نہیں لیا، اور نہ ہی بعد میں یہ کام کیا، حالانا کہ اس دور میں اس کے بعد کئی نازک وقت آئے۔''[1]

## تالیفات اور رسائل:

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قاضی اطہر مبارکپوری صاحب کو بچپن سے ہی تصنیف و تحقیق میں بڑی دلچسپی تھی، اس لیے قاضی صاحب نے بچپن سے ہی لکھنا شروع کر دیا تھا، قاضی صاحب کی کتابوں و رسائل کی تعداد بہت زیادہ ہے، ان میں سے بعض شائع ہوئیں اور بعض بد قسمتی سے زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکیں۔

قبل اس کے کہ ہم ان تصانیف و تالیفات پر تبصرہ کریں، بہتر معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کی بحث و تحقیق سے متعلق چند خصوصیات کا ذکر بھی کرتے چلیں۔:

* جس عہد اور جس طرز کی تاریخ نگاری کا بیڑا انھوں نے اٹھایا اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے، اس باب میں سباق غایات ہیں۔ اب تک ان کے ذریعہ انجام دیے گئے کارناموں کے کسی گوشہ پر متاخرین میں سے کسی نے اضافہ نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر مصادر جس کو قاضی اطہر صاحب نے منتخب کیا ان کے علاوہ دوسروں کی رسائی نہیں ہو پائی یا اگر کسی کو معلوم بھی ہوا تو اس نے اس کی تہ تک جانے کی کوشش نہ کی، لہذا وہ آج تک اس میدان کے آخری آدمی ہیں۔

[1] ماہنامہ رسالہ ''ضیاءالاسلام''، 47/12-8/3

* قاضی اطہر صاحب کسی خاص نظریے کے اثبات یا اس کی نفی کے لیے نہ تو مطالعہ کرتے تھے نہ ہی لکھتے تھے، بلکہ مطالعہ کرتے رہتے تھے اور پھر اپنے مسلسل مطالعہ اور حاصلِ مطالعہ کو قاری کے سامنے پیش کر دیتے، وہ نہ تو قاری کو مغالطہ میں مبتلا کرتے نہ کسی خاص نظریۂ فکر کو ان کے سامنے پیش کرتے۔ مطالعہ کے دوران جو چیزیں ان کو سامنے ظاہر ہوتیں وہ خلوص نیت سے قاری کے سامنے پیش کر دیتے، وہ مستشرقین یا خاص نظریۂ فکر کے حاملین کی طرح نہ تھے کہ جو اپنے ایک خاص ہدف اور ایک نظریۂ فکر کو دوسروں کے سامنے ثابت کرنے کے تحت پڑھتے لکھتے ہیں، اور دوسروں پر اس کو تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں۔
* دور حاضر میں اکثر محققین نے صرف وطن پرستی کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے افکار پیش کیے، ہم نے ماضی میں 'نحن ابناء الفراعنہ' 'ہم فرعون کی نسل سے ہیں' کے نام سے ایک نعرہ بھی سنا، ہم میں سے کوئی بھی وطن اور وطنیت پرستی سے مستثنیٰ نہیں، مگر قاضی اطہر صاحب نے اس قسم کی ہر افراط و تفریط سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہوئے اپنی تحقیق کا اصل محور اسلام اور شارع علیہ السلام کی ذات والاصفات کو قرار دیا، اور وطن، ابنائے وطن اور اشیائے وطن سے تعلق و محبت کو اسی مرکز سے وابستہ رکھا۔ [1]
* جنھوں نے بھی تاریخ کے میدان میں قدم رکھا، ان میں سے اکثر نے قلت معلومات اور اس کی فراہمی کی شکایت کو قاری کے سامنے ضرور بیان کیا ہے، گرچہ انھوں نے اس سے اخذ و استفادہ بھی کیا ہو، اس کے باوجود اکثر و بیشتر وہ اپنی تالیفات میں معلومات کی قلت کے متعلق قدماء کو نشانہ ضرور بناتے رہے ہیں، مگر قاضی اطہر

[1] سہ ماہی مجلہ ''ترجمان الاسلام''، 28-29، اکتوبر 1996-مارچ 1997، ص 60

صاحب ان میں سے نہیں بلکہ وہ قدماء کا دفاع کرتے ہیں اور اپنی تالیفات کے ذریعہ یہ ثابت بھی کرتے ہیں کہ آج ہم جو تحقیق کی صورت میں معلومات لوگوں کو فراہم کررہے ہیں، وہ سب قدماء کی تالیفات میں پہلے سے ہی موجود ہیں، اور اس سلسلہ میں ہم ان کی کتاب ''خلافت راشدہ اور ہندوستان'' سے ایک اقتباس نقل کر رہے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

> ''مسلمانوں نے اپنی تاریخ کے اسلامی، دینی، ملی، سیاسی، تمدنی، علمی، فکری، ادبی، اجتماعی اور انفرادی پہلوؤں میں سے ہر ایک پر الگ الگ تصانیف کے انبار لگائے ہیں۔۔۔ بعض لوگوں کی طرف سے شکوہ ہونے لگا کہ ہماری تاریخوں میں غزوات و فتوحات۔۔۔ تو نہایت شرح وبسط سے پائی جاتی ہیں، مگر تمدنی۔۔۔ معاشرتی باتیں (اور مقامی و وقتی احوال) نہیں ملتے ہیں، حالانکہ اس شکوے کی ان موضوعات کی مستقل تصانیف سے کوتاہ نظری اور صرف سیر و مغازی کی کتابوں ہی میں سب کچھ تلاش کرنے کی سعیِ ناکام اور ذوقِ خام ہے، [ورنہ ہر انسانی زندگی سے متعلق ہر پہلو پر کتابیں دستیاب ہیں]۔''[1]

* قاضی صاحب کے بیانات قیاس آرائی اور ظن و تخمین پر مبنی نہیں ہوتے ہیں بلکہ وہ اپنی ہر بات حوالوں کی روشنی اور مدلل طور پر پیش کرتے ہیں، اس کے ساتھ ہی روایات کے جمع واستیعاب کی کوشش کرتے ہیں تو اس کے منکر و ضعیف ہونے کو بھی بیان کرتے ہیں، اور ساتھ ہی اس میں وارد اختلاف و تعارض کی بھی نشاندہی کر دیتے ہیں، اس کی واضح مثال ان کے اس مقالہ میں مل جاتی ہے جو انھوں نے محمد بن القاسم

---

[1] خلافت راشدہ اور ہندوستان، ص 17-19

اور حجاج بن یوسف کے مابین عزیز داری کے حوالے سے لکھا ہے، جو حضرات نفس واقعہ سے متعلق تفصیلات کے متمنی ہیں وہ اس مقالہ کا مطالعہ ضرور کریں۔

* قاضی صاحب کی تحریر جامع، منقح اور غیر ضروری طوالت سے پاک ہیں۔ وہ کبھی لایعنی باتوں کی تہ میں جانا پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ وہ اپنی بات کو عرب کی طرح مختصر و جامع انداز میں بیان کرنا پسند فرماتے تھے، ان کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کے رفیق اور مشہور مؤرخ اسیر ادروی صاحب مدیر سہ ماہی مجلہ 'ترجمان الاسلام' فرماتے ہیں:

"قاضی صاحب کا قلم بڑا محتاط تھا غیر ضروری بسط و تفصیل قاضی صاحب کے مزاج کے خلاف تھی۔۔۔ وہ الفاظ کا انبار جمع کرنے کے بجائے حقائق و معارف کے موتی چننے کے قائل تھے۔۔۔ قاضی صاحب کا قلم ابر نیساں تھا جس کے ایک ایک قطرے کے لیے صدف کا منہ کھلا رہتا ہے۔۔۔ وہی قطرہ جب صدف کے سینہ سے باہر آتا ہے تو وہ دُرّ شہوار بن کر آتا ہے۔"[1]

اب ہم ذیل میں مولانا کی ان تمام تالیفات اور رسائل کا ذکر کریں گے جو شائع ہو چکی ہیں یا غیر مطبوعہ ہیں، ان میں بیشتر کتابیں ایسی ہیں جو لوگوں کی دسترس میں ہیں، مگر کچھ ایسی تحریریں بھی ہیں جن تک لوگوں کی نگاہ نہ پہنچ سکی ہے:۔

1. **دیار پورب میں علم اور علماء:** یہ کتاب 'پورب' جو الہ آباد، اودھ اور عظیم آباد پر مشتمل تھا، کی تاریخ بیان کرتی ہے، اس سے قبل مذکورہ علاقہ سے متعلق منظم اور مربوط طور سے کوئی تحریر نہیں ملتی ہے۔ قاضی اطہر مبارکپوری

[1] مجلہ ترجمان الاسلام (سہ ماہی)، 28-29، اکتوبر 1996 - مارچ 1997، ص 17

صاحب نے اس دیار کی مفصل تاریخ قلمی نسخوں اور بیش قیمت مراجع کی مدد سے رقم فرمائی ہے، قاضی اطہر صاحب نے اس دیار کی تاریخ کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے، پہلے دور میں سید سالار مسعود غازی (شہید 488ھ) کے ہاتھوں اسلام کی روشنی کے پہنچنے کا ذکر کرتے ہیں، دوسرا دور تقریباً 160 سال پر مشتمل ہے، اس کے ضمن میں قاضی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ کیسے اسلامی نور اور ایمانی روح پوری طرح جلوہ افروز ہو گئی۔ یہ دور 772ھ سے لے کر 932ھ تک یعنی جونپور کی بنیاد سے لے کر لودھی سلطنت کے ختم ہونے تک ہے۔ تیسرا دور مغل سلطنت کے قیام 932ھ سے 1130ھ پر پھیلا ہوا ہے، چوتھا دور 1130ھ میں اودھ کے نوابوں کی حکومت کے قیام سے شروع ہو کر اس کے ختم [1273ھ] تک ہے، اس کے بعد وہ 8 بڑی شخصیات کا ذکر کرتے ہیں جن میں ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی، راجہ سید حامد مانک پوری، مولانا روحی میر علی عاشقان سرائے میری، ملا محمود جونپوری، حافظ امان اللہ بنارسی، شیخ غلام نقشبندی گھوسوی، شاہ ابو الغوث کرم دیوان بھیروی لہراوی اور شیخ حسن علی ماہلی قابل ذکر ہیں۔ یہ کتاب 509 صفحات پر مشتمل ہے۔ راقم کے پیش نظر نسخہ 'البلاغ' پبلیشرز نئی دہلی ہے، اس کی اشاعت 2009 میں عمل میں آئی۔

2. **عرب وہند عہدِ رسالت میں**: یہ کتاب ہندستان و عرب کے مابین قدیم تعلقات کے سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے، اس میں قاضی صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ عرب سے علمی و ثقافتی رشتہ نیا نہیں بلکہ تاریخی اعتبار سے بہت ہی قدیم ہے اور یہ اسلام سے قبل کے زمانے سے چلا آرہا ہے۔ یہ کتاب عرب وہند کے درمیان نبی کریم ﷺ کے زمانے سے چلے آرہے تعلقات کے بارے میں

بحث کرتی ہے، کتاب کی ضخامت 200 صفحات ہے۔ 1965 میں اس کا پہلا ایڈیشن ندوۃ المصنفین دہلی نے شائع ہوا تھا۔ یہ کتاب اس درجہ گراں قدر اور بیش بہا ہے کہ دنیا کی بہت سی قومی اور بین الاقوامی زبان میں اس کے ترجمے کیے گئے، چنانچہ عربی زبان کی طرح سندھی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہوا، مشہور عالم ڈاکٹر عبد العزیز عزت عبد الجلیل صاحب نے عربی زبان میں ترجمہ کیا اور 1973 میں الہیئۃ المصریہ قاہرہ نے اس کو شائع کیا ہے۔

3. **تذکرہ علماءِ مبارکپور**: قاضی اطہر صاحب نے 'تذکرہ مشاہیر اعظم گڑھ اور مبارکپور' کے نام سے ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کیا، اور اس کی تالیف جمادی الاولی 1367ھ میں شروع بھی کر دی، اور اچھا خاصا مسودہ تیار بھی ہو گیا، مگر کسی وجہ سے نہ یہ کام جاری رہ سکا اور نہ پایۂ تکمیل کو پہنچ سکا، بعد میں انھوں نے 'تذکرہ علماءِ مبارکپور'[1] کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جس کو 'دائرہ ملیہ' مبارکپور نے 1974 میں شائع کیا۔

یہ کتاب 192 صفحات پر مشتمل ہے، اس میں مبارکپور کی تقریباً 136 شخصیات، مفسرین، محدثین، فقہاء، ادباء، شعراءِ کرام کے علاوہ دوسرے مشائخ ورجال کے تذکرے ہیں۔ صفحہ 62 سے 192 تک شخصیات ذکر ہے، اس سے قبل کے صفحات میں مبارکپور کی سیاسی، ثقافتی، علمی اور ادبی تاریخ کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد اور نایاب ہے۔

4. **اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ**: یہ کتاب آٹھ مقالات کا مجموعہ ہے، ان مقالات کا تعلق قدماو متاخرین کے اسلامی ہند اور فاتحینِ ہند کے متعلق سے ہے، جیسے

---

[1] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص 108

عثمان، حکم، مغیرہ بن ابوالعاصی الثقفی، فاتح ہند محمد بن قاسم ثقفی، امیر ہند عمرو بن محمد بن قاسم ثقفی، امام ربیع بن صبیح بصری ہندی، امام ابو موسیٰ اسرائیل بن موسی بصری ہندی، عرب وہند کے مابین قدیم ثقافتی اور تجارتی تعلقات، راجہ رُھمی کے علاوہ ہندستان کے دوسرے راجاؤں سے متعلق، اس کتاب کی ابتدافہرست مصادر ومراجع سے ہوتی ہے۔ یہ کتاب 15 اہم مصادر ومراجع پر مشتمل ہے، اس میں قاضی صاحب نے اپنی کتاب 'رجال السند والہند' کو بھی شامل کیا ہے۔ کتاب کا مقدمہ ندوۃ المصنفین کے مدیر مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب نے لکھا ہے۔ صفحات کے تعداد 243 ہے، اس کتاب کو ندوۃ المصنفین دہلی نے 1969 میں شائع کیا۔

5. **خلافت راشدہ اور ہندوستان:** یہ کتاب عہد خلافت راشدہ اور ہندستان کے تعلقات پر مبنی ہے۔ اس کتاب میں قاضی اطہر صاحب نے عرب وہند کے تجارتی، علمی وادبی پہلوؤں پر گفتگو کیا ہے۔ مصادر ومراجع سے کتاب کا آغاز کیا گیا ہے، جن کی تعداد تقریباً 76 ہے۔ مصادر میں قاضی صاحب کی کتابیں جیسے 'رجال السند والہند'، 'العقد الثمین' اور 'عرب وہند عہدِ رسالت میں' بھی شامل ہیں، مراجع کے بعد قاضی صاحب نے قدماومتاخرین کے تالیفات کے مبادیات کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد عہد نبوی ﷺ میں عرب وہند کے مابین تعلقات کے موضوع سے متعلق بحث کی ہے، پھر وہ اصل کتاب کے تعارف پر آتے ہیں جس میں خلفائے راشدین کے عہد میں عرب وہند کے مابین تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے غزوات وفتوحات اور نظامِ حکومت، اور عرب مسلمانوں کی ہند میں موجودگی سے متعلق بالکل ویسا ہی کلام کرتے ہیں، جیسا کہ ہندستانی مسلمانوں کی عرب ممالک میں موجودگی سے متعلق ذکر کیا گیا ہے، ساتھ ہی ہندستان میں صحابہ اور تابعین کرام کے

آثار کا بھی ذکر کرتے ہیں، جن کی تعداد تقریباً 27 ہے۔ یہ کتاب 280 صفحات پر مشتمل ہے، ندوۃ المصنفین دہلی نے اس کو 1972 میں شائع کیا، بعد میں تنظیم فکر و نظر سندھ، پاکستان نے اس کا نیا ایڈیشن شائع کیا۔

6. **خلافتِ عباسیہ اور ہندوستان:** یہ کتاب تاریخ اسلام کے عہد زریں یعنی عہدِ عباسی میں ہندو عرب کے مابین تعلقات سے متعلق بحث کرتی ہے۔ قاضی صاحب نے اس کتاب کی تالیف میں 146 مراجع و مصادر کی طرف رجوع کیا ہے۔ اور ان مراجع میں ان کی اپنی کتاب 'رجال السند والہند'، 'العقد الثمین' اور 'رجال الکشي' بھی شامل ہیں۔ قاضی اطہر صاحب نے عہدِ عباسی میں ہندستان و عرب کے مابین تعلقات پر ابتدائی اور تفصیلی گفتگو کے بعد بحر بصرہ کی امارت، سمندری ڈاکوؤں سے جنگ، امارت کا نظم، ہندستان سے عرب کے تجارتی تعلقات، ہندستانی علوم و فنون اور ہندستانی علماء، اسلامی علوم و فنون اور اسلامی علماء، ہندستانی موالی و مملوک کا ذکر کیا ہے، ساتھ ہی 'خلافت بنو امیہ اور ہندوستان' میں جو کچھ رہ گیا تھا اس کی تکمیل بھی کی ہے۔ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب نے اس کتاب کا مقدمہ کتاب کے آخر میں لکھا ہے۔ یہ کتاب 558 صفحات پر مشتمل ہے اور پہلی بار 1982 میں ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ تنظیم فکر و نظر سندھ، پاکستان نے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا ہے۔

7. **خلافتِ بنو امیہ اور ہندوستان:** یہ کتاب اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس کتاب میں قاضی صاحب نے مختلف ادوار میں ہندستان کے تعلقات دوسرے عرب ممالک کے ساتھ کیسے تھے، اس کو بیان کیا ہے۔ کتاب میں قاضی صاحب نے سب سے پہلے عہد اموی میں ہندستان اور دوسرے ممالک

کے مابین آپسی رشتے کو بیان کیا ہے۔ کتاب میں سب سے پہلے فہرست مصادر و مراجع بیان کو تحریر کیا گیا ہے، مراجع کی کل تعداد 113 ہے۔ مذکورہ مراجع کی فہرست میں قاضی صاحب کی کتاب 'رجال السند والہند'، 'العقد الثمین'، 'عرب وہند عہدِ رسالت میں' اور 'ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں' بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد تعارف پیش کیا گیا ہے، اس میں عہدِ بنوامیہ میں عرب وہند کے مابین تعلقات، پھر نظم و نسق، نظام حرب و جنگ، بنو امیہ کے امراء، ہندستان کے راجاؤں اور ہندستانی مسلمانوں کی تعداد، عرب کی یادگاریں ان علاقوں میں، اسلامی علوم و فنون، عہدِ اموی میں آنے جانے والوں اور ہندستان کے مرد و عورتیں اور ان کے معاشرتی، علمی اور نظم و نسق سے متعلق اہم نکات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، گویا کہ یہ گذشتہ کاموں کا تتمہ ہے۔ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب نے اس کا مقدمہ کتاب کے اختتام میں لکھا ہے۔ یہ کتاب 671 صفحات پر مشتمل ہے، ندوۃ المصنفین دہلی نے 1975 میں اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع کیا، پھر تنظیم فکر و نظر سندھ، پاکستان نے اس کو دوبارہ شائع کیا ہے۔

8. **ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں:** یہ کتاب ان لوگوں کے لیے مدلل اور بھرپور جواب ہے جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ سندھ وہند میں عربوں کی حکومت نہیں تھی۔ قاضی صاحب نے تقریباً 50 مصادر سے استفادہ کیا ہے، ان میں ان کی کتاب 'رجال السند والہند' اور 'عرب وہند عہدِ رسالت میں' بھی شامل ہیں۔ قاضی اطہر صاحب نے سندان میں ماہانی حکومت، منصورہ سندھ میں ہباری حکومت، ملتان میں سامی حکومت، مکران میں معدانی حکومت، اور طوران میں متغلب حکومت کے بارے میں گفتگو کی ہے ساتھ ہی ان حکومتوں اور ان کے

حکمرانوں سے متعلق بھی مختصر کلام کیا ہے۔ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب نے اس کا مقدمہ لکھا ہے۔ یہ کتاب 340 صفحات پر مشتمل ہے، ندوۃ المصنفین دہلی نے 1967 میں اسے پہلی بار شائع کیا۔ مکتبہ عارفین، کراچی نے اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا ہے، تنظیم فکر و نظر سندھ پاکستان نے اس کا ایک اور ایڈیشن شائع کیا۔ مصر کے ڈاکٹر عبدالعزیز عزت نے اس کا عربی ترجمہ کیا ہے، یہ ترجمہ 'الحکومات العربیۃ في الھند والسند'[1] کے نام سے مکتبہ آل ید اللہ بکریہ ریاض نے شائع کیا ہے۔

9. **العقد الثمین في فتوح الھند ومن ورد فیھا من الصحابۃ والتابعین:** کتاب کے عنوان سے ہی اس کا موضوع واضح ہو جاتا ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن 1968 میں ممبئی سے 335 صفحات کی ضخامت میں شائع ہوا، دوسری بار یہ کتاب دار الانصار قاہرہ (مصر) سے شائع ہوئی۔ کتاب کا تجزیہ کرنے کے بجائے ہم محمد عبداللہ سمان صاحب کا وہ قول نقل کرنا چاہتے ہیں جو انھوں نے اس کتاب میں درج کیا ہے:

> "كتاب العقد الثمين يؤرخ للهند الإسلامية من أول الفتح الإسلامي حتى نهاية العصر الأموي--- ومنهج المؤلف، كما أشار إليه في المقدمة، فهو يذكر الغزوة والولاية ثم يترجم لمن دخل الهند أيام تلك الغزوة أو الولاية من الصحابة والتابعين والمخضرمين وأتباع التابعين ومعاصريهم وقد مهّد المؤلف للدارسة ببحث في فتوح الهند، والتي كانت تعدّ من فتوح

---

[1] اس جگہ پر بھی مجلہ 'الداعی' کے مدیر مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب کو وہم ہوا ہے اسی وجہ سے انھوں مذکورہ کتاب کو بھی مولانا مبارکپوری کی تصنفات میں شمار کر لیا، مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو 'پس مرگ زندہ' ص320

العراق كان للعراق سوادان؛ سواد الكوفة وسواد البصرة. وكانت الهند والسند تابعتين لسواد البصرة منذ عهد عمر بن الخطاب إلى عصر المأمون الخليفة العباسي--- والمؤلف يعني بتراجم الرجال ما وسعته المراجع ويضع كلاً في مكانة اللائق به لذلك تتسع الترجمة أو تضيق. وهذه التراجم لها قيمتها لدى كل باحث ومحقق لاستخلاصها من أمهات المراجع المعتمدة، وخاتمة الكتاب كانت عن علم الحديث والمحدثين في الهند--- والحق أن المؤلف بذل جهدًا مشكورًا لم يكن قاصرًا على التحقيق التاريخي للغزوات والفتوحات بل تجاوز ذلك إلى تحقيق سند الرجال الذين أسهموا في الفتوحات والولايات، وهي مهمة شاقة مضنية.''[1]

عقد ثمین کتاب اسلامی ہند کی پہلی فتح اسلامی سے لے کر اموی عہد کے اخیر تک کی تاریخ ہے، اور جیسا کہ مصنف نے خود اپنے منہج کے بارے میں ذکر کر دیا کہ غزوات و ولایات پھر غزوات کے دنوں میں ہندستان میں داخل ہونے والوں کے تراجم یا پھر صحابہ وتابعین اور محضرم اور تبع تابعین اور ان کے معاصرین میں ولاۃ و امرا۔ اور مصنف نے ہندستان کی فتوحات سے ابتدا کی ہے اور اسے عراق کی فتح سے تعبیر کیا ہے کہ عراق کے دو نقطے ایک کو کوفی، دوسرے کو بصرہ اور ہندستان و سند عمر بن خطابؓ کے دور سے لے کر عباسی خلیفہ مامون کے زمانے تک بصرہ کے ماتحت رہا۔ مصنف نے تراجم کو مراجع کی روشنی میں مزید وسعت بخشی ااور ہر ایک کو اس کے مناسب مقام

[1] جریدۃ ''العالم الإسلامی''، عدد: 18-24، جمادی الأولی، سنۃ 1417ھ، ص 18

میں رکھا ہے اس وجہ سے کہیں ترجمہ زیادہ ہو گیا ہے اور کہیں کم، یہ تراجم امہات الکتب سے ماخوذ ہونے کی وجہ سے باحث و محقق کے نزدیک گراں قدر ہیں، کتاب کا اختتام ہندستان میں علم حدیث اور محدثین کے ذکر پر ہوا ہے۔۔۔ یہ حقیقت ہے کہ مصنف نے بڑی کدو کاوش کی ہے انھوں نے نہ صرف غزوات و فتوحات کی تاریخی تحقیق کی ہے بلکہ انھوں نے فتوحات و ولایات میں جو لوگ شریک رہے ان کی سند بھی بیان کر دی ہے اور یہ بہت ہی محنت طلب اور مشقت سے بھرپور کام ہے۔

10. تدوین سیر و مغازی: قاضی صاحب کی یہ شاہکار کتاب ہے۔ عربی و اردو زبانوں میں سیر و مغازی سے متعلق لکھی گئی اس کتاب کی حیثیت بہت بلند ہے۔ قاضی اطہر صاحب نے اس کتاب کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے، پہلا باب حدیث کے لغوی و اصطلاحی مفہوم، علم حدیث و روایت جیسے موضوعات پر مبنی ہے، جبکہ دوسرا باب سیر، وثائق اور مغازی پر لکھی گئی امہات الکتب سے متعلق ہے، تیسرا باب پہلی ہجری کے نصف اول میں تدوین سیر و مغازی کے بارے میں ہے، اس میں قاضی صاحب نے اس عہد میں مدون تیرہ(13) کتابوں کا ذکر کیا ہے، چوتھا باب مختلف شہروں کے علمائے سیر و مغازی سے متعلق ہے، اس میں انھوں نے کوفہ، بغداد، مصر اور اندلس کے علماء کے ذکر کے ساتھ ساتھ موضوع سے متعلق ان کی تصنیفات کا بھی ذکر کیا ہے، پانچواں باب سیر و مغازی کی فقہی تدوین سے متعلق ہے جس میں انھوں نے اس میدان میں فقہائے کرام کی کوششوں کا ذکر کیا ہے، یہ کتاب 320 صفحات پر مشتمل ہے، اس کا پہلا ایڈیشن شیخ الہند اکیڈمی دار

العلوم دیوبند سے 1990 میں شائع ہوا، اس کے متعلق ڈاکٹر عبد العزیز عزت فرماتے ہیں:

"إن المؤلف - فيما كتب في هذا الكتاب- إنما أدّى الواجب لعمل علمي جليل يضاف إلى مجموعة مؤلفاته التي تخدم الثقافة الإسلامية وتنير الطريق أما الباحثين. "[1]

بلاشبہ مصنف —جو کچھ بھی اس کتاب میں لکھا— نے یہ جلیل القدر علمی کارنامہ انجام دے کر اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کر دی اور اس کے ذریعہ سے اپنی مجموعۂ تالیف میں اسلامی ثقافت کے حوالے سے اضافہ کیا اور محققین کے لیے راہ کو پر نور کر دیا۔

مشہور مورخ اور صحافی اسیر ادروی صاحب اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

"تدوین سیر و مغازی" تو اپنے موضوع پر اردو زبان میں پہلی کتاب ہے، اس (دقیق ترین بحث) کو قاضی صاحب نے اٹھایا ہے اور حق یہ ہے کہ اس کا سراغ لگانے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی ہے، کتاب کے مطالعہ سے مصنف کی جدوجہد، مشکلات اور ان کی وسعت نظری کا پتہ چلتا ہے۔"[2]

11. **خیر القرون کی درس گاہیں:** کتاب کا پورا نام 'خیر القرون کی درس گاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت' ہے۔ اپنے موضوع پر یہ بہت عمدہ تاریخی کتاب ہے، اس میں قاضی اطہر صاحب نے پہلی صدی کے مکاتب و مدارس کے ذکر کے

---

[1] مجلہ "الأزهر"، السنة الثالثة والستون، الجزء الخامس، ص 593

[2] مجلہ ترجمان الاسلام (سہ ماہی)، 28-29، اکتوبر 1996-مارچ 1997، ص6

ساتھ صحابہ کرام کے طریقہ درس وتدریس کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب 392 صفحات پر مشتمل ہے۔ 1995 میں شیخ الہند اکیڈمی دیوبند نے اس کو شائع کیا ہے۔ قاضی اطہر صاحب نے اس کتاب کی تمہید میں علوم اسلامیہ کے ابتدائی مراکز، مدارس کا قیام اور اس کی ترویج و اشاعت کے ابتدائی اسلامی تاریخ کے مراحل کو تفصیل سے بیان کیا ہے، پھر عہد نبوی (ﷺ) میں درسی مجالس و حلقات کا ذکر کیا گیا ہے،اس کے ذیل میں قاضی صاحب نے ضمناً مکہ و مدینہ کی درسی مجالس وحلقات کا بھی ذکر کیا ہے، ساتھ ہی آپ نے نبی کریم (ﷺ) اور صحابہ وتابعین کرام کے طریقۂ تدریس سے متعلق بھی کلام کیا۔اس میں قرآن و حدیث کی تدوین کے بارے میں بھی بیان ہے، فتاوی وفقہا، صحابہ وتابعین کرام کی مجلسوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ عہدِ نبی کریم (ﷺ) عہدِ صحابہ کرامؓ اور عہدِ تابعین کی مجالس کی سرگرمیوں سے متعلق یہ ایک نہایت جامع کتاب ہے،اس کے متعلق ڈاکٹر عبدالعزیز عزت لکھتے ہیں:

"---وهو في الحقيقة كتاب ممتع لما اشتمل عليه من موضوعات نجدها مفرّقة بين أمهات الكتب والمراجع في السيرة والتاريخ"[1]

"دراصل یہ ایک نہایت ہی مفید اور کارآمد کتاب ہے، جس میں وہ سارے موضوعات شامل ہیں جن کو ہم سیرت وتاریخ کی امہات الکتب ومراجع میں بکھرا ہوا پاتے ہیں۔"

[1] مجلۃ "الأزهر"، عدد جمادی الأولی سنۃ 1417ھ، ص 876

12. **ائمہ اربعہ:** یہ کتاب قاضی صاحب کے ان مکتوبات کا مجموعہ ہے جس کو آپ نے مرادآباد سے شائع ہونے والے مجلہ 'قائد' میں لکھنا شروع کیا تھا، اس کو کتابی شکل میں مکمل کرکے مولانا نے اشاعت کی غرض سے مرکز تنظیم اہل سنت کو دیا مگر تقسیم وطن کا واقعہ طباعت کے درمیان حائل ہوگیا، بعد میں آپ نے اس کتاب کو مطبعہ سلطان ممبئی کے مالک کو دیا، مگر بدقسمتی سے یہ کتاب شائع نہ ہوسکی اور اس کا مسودہ ضائع ہوگیا، پھر قاضی صاحب نے اس نقصان کی تلافی کرتے ہوئے اس موضوع پر ایک کتاب تالیف کی، جس کو شیخ الہند اکیڈمی، دیوبند نے 1989 میں شائع کیا۔

13. **مختصر سوانح ائمہ اربعہ:** غالباً یہ وہی کتاب ہے جس کا ذکر ابھی اوپر ہوچکا ہے، نور عالم امینی صاحب نے اسے علاحدہ سے قاضی صاحب کی تصنیفات میں شمار کیا ہے۔ [1]

14. **مسلمانوں کے ہر طبقے میں علم اور علماء:** یہ کتاب اپنے موضوع میں منفرد اور اہم ہے، قاضی صاحب نے اس کتاب میں لکھا ہے کہ علم کسی خاص طبقہ یا کسی خاندان کی میراث نہیں بلکہ یہ ایک ایسا سرمایہ ہے جس کو وہی حاصل کرتا ہے جس کو اس میں دلچسپی اور لگن ہو۔ پہلے یہ کتاب مجلہ 'البلاغ' میں سلسلہ وار مضمون کی شکل میں شائع ہوئی، پھر اس کتاب پر قاضی صاحب نے نظر ثانی فرمائی اور مزید معلومات کا اضافہ کرکے کتابی شکل دی۔ یہ کتاب شیخ الہند اکیڈمی، دیوبند سے 1998 میں شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب 228 صفحات پر مشتمل ہے۔

---

[1] جریدہ ''العالم الاسلامی'' عدد 18-24، جمادی الاولی، 1417ھ، ص 12

15. **رجال السند والہند الی القرن السابع**: یہی وہ کتاب ہے جس نے قاضی صاحب کو عرب ممالک میں نہ صرف یہ کہ متعارف کرایابلکہ ان کی علمی قد کو بامِ عروج تک پہنچادیا۔اس کتاب کا پہلاایڈیشن 1958 میں مطبعہ حجازیہ ممبئی سے شائع ہوا۔کتاب کی ضخامت 328صفحات تھی۔قاضی صاحب برابراس میں اضافہ کرتے رہے یہاں تک کہ 1978 میں دوسری بار یہ کتاب دارالانصار قاہرہ سے 588صفحات کی ضخامت میں شائع ہوئی۔اور علامہ عبدالحہ حسنی کی کتاب 'اِلاعلام بمن فی الہند من الاَعلام' میں ہندستانی علماء سے متعلق جو مواد درج ہونے سے رہ گیا تھا،اس کی بھرپائی اس کتاب نے کردی۔۔عبدالماجد دریابادی صاحب فرماتے ہیں:

"قاضی اطہر مبارکپوری کانام پڑھے لکھوں کے لیے نامانوس نہیں،۔۔۔اور اب تک مقالات ومضامین کاانبار لگا چکے ہیں۔۔۔زیر نظر کتاب ساتوی[ں] صدی ہجری تک (ہندستانی وپاکستانی مشاہیر اسلام) کاتذکرہ ہے۔۔۔قاضی صاحب نے یہ کتاب تیار کرکے ہندستانی اہل قلم کاسر دنیائے اسلام میں بلند کیاہے، کاش قاضی صاحب (کواتنی فرصت واطمینان نصیب ہوکہ) کتاب کی آئندہ جلدوں کو (چودھویں صدی ہجری تک کے مشاہیر تک) لکھ سکیں۔"[1]

هو الحبر في الأنساب حافظ عصره سيوطى أهل الهند بل منه أغزر [2]

شاید یہ قول کتاب اور اس کے مصنف کی قدر ومنزلت ور ان کے رتبہ ومرتبہ کو بتانے کے لیے کافی ہوگا۔

---

[1] مجلہ ترجمان الاسلام(سہ ماہی)،28-29،اکتوبر1996-مارچ 1997،ص122

[2] مجلہ ترجمان الاسلام(سہ ماہی)،28-29،اکتوبر1996-مارچ 1997،ص48

16. **الہند فی عہد العباسیین**[1]: قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی مایہ ناز کتاب 'خلافت عباسیہ اور ہندوستان' کی تلخیص 'الہند فی عہد العباسیین' کے نام سے لکھی ہے۔اس کتاب کو دار الانصار قاہرہ نے 1979 میں شائع کیا ہے۔

17. **جواہر الاصول**:اس کتاب کا پورا نام 'جواہر الاصول فی علم حدیث الرسول' ہے۔ اس کتاب کے مصنف ابو الفیض محمد بن محمد بن علی حنفی فارسی ہیں۔ قاضی اطہر صاحب نے اس پر تحقیق کی ہے اور شرف الدین الکتبی واولادہ، ممبئی نے 1973 میں اس کتاب کو شائع کیا ہے، بعد میں دار السلفیہ ممبئی نے اسے دوبارہ شائع کیا، مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ سے بھی اس کی اشاعت عمل میں آچکی ہے۔

علامہ انظر شاہ صاحب کشمیری اس کتاب کے متعلق فرماتے ہیں:

"۔۔۔علم حدیث میں منضبط جامع رسالہ ہے، جس پر مشہور اہل علم قاضی اطہر مبارکپوری نے تعلیقات قائم کی ہیں اور مختلف مراجع سامنے رکھ کر مضامین کی تشریح وشواہد پیش کیے۔رسالہ کی عربی اس قدر ہلکی پھلکی اور رواں دواں ہے کہ عربی سے معمولی شُدبُد رکھنے والا بھی بے تکلف استفادہ کر سکتا ہے۔"[2]

18. **تاریخ اسماء الثقات**:ابن شاہین بغدادی کی یہ کتاب مسودہ کی شکل میں تھی ۔ قاضی اطہر مبارکپوری صاحب نے اس کتاب پر تحقیق وتدوین کے فرائض انجام دیے ہیں۔1986 میں 'شرف الدین الکتبی واولادہ' ممبئی نے اسے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب 235 صفحات پر مشتمل ہے۔

---

[1] پروفیسر محمد نعمان خان نے مجلہ ''ثقافۃ الہند'' میں 112/1/52 پر اسے ''الھند في العھد العباس'' کے نام سے ذکر کیا ہے شاید یہ استاد محترم کا وہم ہے۔

[2] مجلہ ترجمان الاسلام (سہ ماہی)، 28-29، اکتوبر 1996-مارچ 1997، ص 156

19. **اسلامی نظام زندگی:** **اس کا نام 'حیات جمیلہ' رکھا؟؟**، یہ کتاب قاضی صاحب کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو آپ نے تقسیم وطن کے دوران تصنیف فرمائے تھے، یہ مضامین مومن کا مقام، اسلامی تعلیم، جمعیت اسلامی، خاص اسلامی اصول اور دیگر مباحث پر مشتمل تھے۔ اس کتاب کا مقدمہ سید محمد میاں جمعیت علماء ہند کے مدیر نے لکھا، یہ کتاب 256 صفحات پر مشتمل ہے، مختصر کتابچہ کی شکل میں عمدہ تحریر ہے، الحاج عبداللہ سمکری بن الحاج احمد مکی نے ایصالِ ثواب کے لیے ذاتی سرمایہ سے 1950 میں شائع کیا۔

20. **علمائے اسلام کی خونی داستانیں:** یہ کتاب پہلی صدی ہجری سے موجودہ دور تک اسلامی تحریکوں اور علماء پر ہونے والے ظلم و تشدد اور فتنوں کی تفصیلات سے بحث کرتی ہے، ساتھ ہی کتاب میں ان فتنوں کے خلاف ان کے جوابات و صبر و استقامت کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ شاعر احسان دانش صاحب نے اس پر نظر ثانی فرمائی اور یہ کتاب 1947 میں شائع ہوئی۔

21. **افاداتِ حسن بصری:** یہ کتابچہ امام حسن بصریؒ کی عمدہ آراء و افکار کا مجموعہ ہے۔ یہ محض 56 صفحات پر مشتمل ہے۔ قاضی اطہر مبارکپوری صاحب نے اسے مدرسہ احیاء العلوم کے زمانۂ تدریس میں تصنیف کیا تھا جس کو دائرہ ملیہ مبارکپور نے 1950 (1947) میں شائع کیا تھا۔

22. **مسلمان:** یہ بھی ایک کتابچہ ہے۔ اس کا نام قاضی صاحب نے 'مسلمان' رکھا۔ یہ کتابچہ اسلام کی حقیقت بیان کرتا ہے اور یہ جمعیۃ المسلمین جنجیرہ کے تحت چلائی جانے والے اصلاحی تحریک کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔، یہ کتابچہ دسمبر 1953 میں شائع ہوا۔ علماء و مصلحین نے اس کی خوب ستائش کی ہے۔

23. **الصالحات** [1]: یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے،اس میں صحابیات رضی اللہ عنہن کے چھوٹے چھوٹے واقعات بیان کئے گئے ہیں، قاضی اطہر مبارکپوری صاحب نے محمد عارف مالک ملک دین اینڈ سنز تاجران کتب سے اس کتاب کی اشاعت کامعاہدہ کیا مگر افسوس کہ یہ کتاب نامعلوم وجوہات کی بناپر شائع نہ ہو سکی۔

24. **معارف القرآن**: یہ کتاب 'جواھر القرآن' کی تلخیص ہے،اس کو قاضی صاحب نے 'معارف القرآن' کانام دیاہے،یہ تلخیص 125 (50)صفحات پر مشتمل ہے اور 1956 میں شائع ہوئی ہے،اس کے بارے میں مولاناعبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

> ''جب آدمی اللہ رب العزت کی کتاب کی اخلاص نیت سے خدمت کرتاہے تو اس کااجر واجب ہو جاتاہے خاص طورپر یہ کتاب اخلاص نیت سے تیار ہوئی یہ بدلہ ٔخیر کی۔۔۔۔'' [2]

25. **علی وحسین** [3]: یہ کتاب شیخ محمود احمد عباسی امروہوی کی تقریباً 1959 میں پاکستان سے شائع شدہ کتاب 'خلافت معاویہ و یزید' کی تردید میں لکھی گئی ہے۔انقلاب میں 35 قسطوں میں 7 نومبر 1959 سے 17 دسمبر 1959 تک

---

[1] پروفیسر محمد نعمان خان نے مجلہ ''ثقافۃ الہند'' میں 111/1/52 پراسے ''الصالحات في سيرة بعض الصالحات'' کے نام سے ذکر کیاہے شاید یہ استاد محترم کاوہم ہے۔ملاحظہ ہو 'کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک' ص 94

[2] 'صدق' اخبار،9 نومبر 1956

[3] مولانانور عالم خلیل امینی نے ''علی والحسین'' (10/3/20) ذکر کیاہے جو کہ موصوف کاوہم ہے۔

شائع ہوئی تھی۔ 1960 میں اسے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ مولانا عبد الماجد دریابادی صاحب اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ان سب میں زیادہ جامع وسنجیدہ مضمون وہ تھا جو قاضی اطہر مبارکپوری کے قلم سے۔۔۔شائع ہوا۔"[1]

ماہر القادری صاحب فرماتے ہیں:

"(اب تک جتنی کتابیں آئی ہیں ان میں قاضی صاحب کی) یہ کتاب 'علی و حسین' سب سے مدلل اور سب سے جامع اور باوقار ہے۔"[2]

**26. قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک:** یہ قاضی صاحب کی خودنوشت سوانح عمری ہے، اس کتاب میں قاضی صاحب نے اپنے نسب، ولادت، ابتدا سے انتہا تک تعلیم کی تفاصیل بیان کی ہیں، پہلے اس کو دائرہ ملیہ مبارکپور اعظم گڑھ نے شائع کیا، اس کی دوسری اشاعت مکتبہ صوت القرآن دیوبند سے عمل میں آئی۔ قاضی صاحب کا اس کتاب کے لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ علماء اس سے عبرت حاصل کریں، مدارس اسلامیہ کے طلبہ کی حوصلہ افزائی ہوسکے اور ان کی صحیح رہنمائی کرے تاکہ طلبہ علم کے علاوہ دوسری وادیوں میں نہ بھٹکیں بلکہ اسلامی اور خصوصًا عربی میدان میں اجتہاد کریں اور اس سے بہترین یاددہانی حاصل کریں۔[3]

---

[1] مجلہ ترجمان الاسلام (سہ ماہی)، 28-29، اکتوبر 1996-مارچ 1997، ص127

[2] مجلہ ترجمان الاسلام (سہ ماہی)، 28-29، اکتوبر 1996-مارچ 1997، ص128

[3] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص19

27. مآثر و معارف [1]: یہ کتاب قاضی اطہر مبارکپوری صاحب کے پچیس مقالات کا مجموعہ ہے۔ 271 صفحات پر مشتمل یہ کتاب ندوۃ المصنفین، دہلی سے 1971 میں شائع ہوئی ہے۔

28. آثار و اخبار: یہ کتاب قاضی اطہر مبارکپوری صاحب کے چند مقالات کا مجموعہ ہے۔ کتاب 150 صفحات پر مشتمل ہے، اس کو ندوۃ المصنفین دہلی نے 1985 میں شائع کیا۔

29. حج کے بعد: رسالہ کا موضوع اس کے عنوان سے واضح ہو جاتا ہے۔ یہ 40 صفحات پر مشتمل ایک مختصر رسالہ ہے، اسے انجمن خدام النبی، ممبئی نے 1957 میں شائع کیا تھا۔

30. خواتین اسلام کی علمی و دینی خدمات: یہ کتاب پہلے 'بنات اسلام کی علمی و دینی خدمات' کے نام سے شائع ہوئی تھی، بعد میں یہ کتاب ترمیم واضافہ کے بعد شیخ الہند اکیڈمی، دیوبند سے 'خواتین اسلام کی علمی و دینی خدمات' عنوان سے شائع ہوئی۔

31. طبقات حج: کتاب کا موضوع اس کے عنوان سے ہی واضح ہے، یہ کتاب 195 صفحات پر مشتمل ہے جسے انجمن خدام النبی ممبئی نے 1958 میں شائع کیا۔

32. تبلیغی و تعلیمی سرگرمیاں عہدِ سلف میں: صرف 35 صفحات کا یہ ایک مختصر رسالہ ہے۔ 1985 میں اس کو مکتبۃ الحق جوگیشوری،

---

[1] اس کا نام مجلہ 'الداعی' میں غلطی سے 'تاثر و معارف' ذکر ہوا ہے (9/3/20) مگر درست وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

ممبئ نے شائع کیا۔ دوبارہ اس کتاب کو شیخ الہند اکیڈمی دیوبند نے 1988 میں شائع کیا۔

مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب اس کتاب کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''اس دعوی کا ثبوت کہ عہد سلف میں مسلمانوں کے مدرسے، مسجدیں بازار سارے ہی مقامات تبلیغ و تعلیم کے میدان ہوتے تھے، مصنف کی وسعت نظر اور وسیع معلومات ہر صفحہ سے نمایاں ہیں۔''[1]

33. **تعلیمی سرگرمیاں عہدِ سلف میں:** یہ غالباً مذکورہ کتاب ہی ہے، نور عالم امینی صاحب نے جہاں قاضی اطہر مبارکپوری صاحب کی کتابوں کا ذکر کیا ہے وہیں اس کا الگ سے بھی ذکر کیا ہے۔[2]

34. **اسلامی شادی:** یہ بھی صرف 35 صفحات کا ایک مختصر رسالہ ہے۔ 1985 میں مکتبۃ الحق جوگیشوری، ممبئ نے شائع کیا، اس کی دوسری اشاعت شیخ الہند اکیڈمی دیوبند سے 1988 میں ہوئی۔

35. **بنات اسلام کی علمی و دینی خدمات:** یہ کوئی علاحدہ کتاب نہیں، اس کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں جہاں ہم نے 'خواتین اسلام کی دینی و علمی خدمات' کا ذکر کیا ہے۔

36. **ندائے حرم:** اس کی تفصیل ہمیں دستیاب نہ ہو سکی سوائے اس کے کہ پروفیسر شمس تبریز خان صاحب نے ایک جگہ اس کا ذکر کیا ہے۔[3]

---

[1] مجلہ ترجمان الاسلام (سہ ماہی)، 28-29، اکتوبر 1996 - مارچ 1997، ص 145

[2] پندرہ روزہ اخبار ''العالم الاسلامی''، عدد 18-24، جمادی الاولی، 1417ھ، ص 12

[3] مجلہ ترجمان الاسلام (سہ ماہی)، 28-29، اکتوبر 1996 - مارچ 1997، ص 50

**37. دیوان احمد:** یہ قاضی صاحب کے نانا احمد حسین رسولپوری (متوفی 1359ھ) کے شعری کلام کا مجموعہ ہے،اس کو قاضی اطہر مبارکپوری صاحب نے اپنے ماموں ابوالاوفی محمد یحییٰ اعظمی صاحب کے تعاون سے جمع وترتیب دیا۔ [1]، گرچہ یہ مجموعہ شاعر کی تمام تخلیقات کا احاطہ نہیں کرتا،کیونکہ اس کا کچھ حصہ دست برد زمانہ کی نذر ہو گیا جس کی وجہ سے وہ نقل نہ کیا جا سکا،یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا کچھ حصہ ان سے ضائع ہو گیا ہو، بہر حال قاضی اطہر مبارکپوری صاحب نے ہم تک اپنے نانا کا شعری کلام جتنا ان سے ممکن ہو سکا پہنچا دیا،اس کے لیے وہ قابل مبارکباد ہیں۔ اپریل 1958 میں یہ دیوان چھوٹے بڑے تقریباً 48 قصیدوں اور نظموں کے ساتھ شائع ہوا۔ چونکہ شاعر موصوف کا شمار ہندستان کے عظیم اور نامور عربی شعرا میں ہوتا تھا لہذا ہم چاہتے ہیں کہ ان کے مختلف قصائد کے بعض اشعار کو نقل کریں۔ مفتی سعد اللہ صاحب کی مدح میں کہے گئے ان کے قصیدہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

أعـد دور الكـؤوس الشـاربينا وجـد بالنـار تحـمى الحالقينـا

أهنهـا مكرمـات ملهيـات نشـيد الغـرد عنـد الحالمينـا

حميـا لـو يـذقها الشـيخ يومـا لجـدد عهـده بالشـابقينا

وأذهلـت العـذارى مـائلات ممـيلات قلـوب الزاهـدينا

[1] قاضی صاحب نے اس مجموعہ کی تحقیق نہیں کی ہے بلکہ انھوں سے صرف جمع وترتیب کی ہے، مولانا نور عالم خلیل امینی کا اس مجموعے کو قاضی صاحب کی تحقیقات میں شمار کرنا محض ایک وہم ہے، ملاحظہ ہو 'پس مرگ زندہ' ص 321

ومــن ريــق الخريــد الذرشــفا | وأحلى مـن كواعـب ذات عينـا
يــهى ســكرا ســواد جــاد نظـرًا | ومــا أحلــى الحميــا قائلينــا
فإنــك والنــدى تــرب ونفســي | وشــربي يــوم عهــد النافســينا
فبـادرني فـدىً لـك مـن تليـد | وطـارف الـذي ملكـت يمينـا
فــإني مشــرف ومنــاط نهــي | إلــى أزكــى ثبيــت المقبلينــا
خـذوقا، مـاهرا، فطنـا، فهيمـا | ذكيـا، كـاملا، حـذرا أمينـا[1]

موت کی ناگزیریت کے بارے میں فرماتے ہیں:

عــرى طيــف تبــدى للخيــال | فســـمّى أم دفـــر بالمثـــال
كــأظلال علــى المــرأة قامــت | ولـــيس وراءه شـــيء مجـــال
ولـم تـرب النقـير كيـف يربـو | ســراب القــاع أو رجــراج آل
فـــكل راكـــب مـــتن المنايـــا | إلـى دار يصـون عـن الـزوال
لبســـنا يـــوم ثوبًـــا مســـتعارًا | ونخلعــه غــدًا عنــد الفقــال
ســيعبر كــل حــي ذاك جســرًا | كمــا عـــبروا بأزمــان خـــوال
وأحــد لـم يحـد منـه محيـدًا | ولوافـــدي بعـــم أو بخـــال
أســافل حفــرة جــوف وبــاوى | إليهــا كــل ذي خــول ومــال
ظننـــتم مـــدة الـــدنيا كثـــيرًا | ومـا زادت علـى حـل العقـال

[1] دیوان احمد، ص40

ويجــنح شــارق ويكــد فــرح　　　ويخــوي موســر ويكــب عــال

فســى العــابرين أثــير وقــت　　　جليــل القــدر، مرتفــع المثــال

كــريم العنصــرين حريــر مجــد　　　وتوخــذ باســمه العــالي معــالي[1]

38. قـاعـدہ بغـدادی سے صحیح بخـاری تک: یہ قاضی صاحب کی نامکمل سوانح ہے، اس میں آپ نے اسلامی و عربی تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے ذاتی تجربات کو ذکر کرنے کا ارادہ کیا تھا، مگر وہ اس کو پورا نہ کر سکے۔ اسی دوران تنظیم فکر و نظر سندھ پاکستان نے سندھ کے علماء اور عرب کے ساتھ تعلقات پر آپ کی خدمات کو دیکھتے ہوئے آپ کی تکریم و عزت افزائی کے لیے ایک جلسہ منعقد کر دیا، اور پھر کچھ ہی دنوں کے بعد آپ وفات پاگئے، نومبر 2003 میں مکتبہ فرید پرائیویٹ لمیٹیڈ دہلی نے اس سوانح کو پہلی سوانح کے ساتھ شائع کیا ہے۔

39. مئے طہور: یہ قاضی صاحب کے اردو و فارسی کلام کا مجموعہ ہے، اس کو دائرہ ملیہ مبارکپور، اترپردیش (الہند) نے اپریل 2000 میں شائع کیا ہے۔

40. منتخب تفاسیر: یہ کتاب قاضی صاحب کے زمانہ میں رائج تفسیروں کی تلخیص پر مشتمل ہے۔ قاضی اطہر صاحب نے اسے 15 جنوری 1945 سے لکھنا شروع کیا اور 1 جون 1946 کو مکمل کیا۔ یہ کتاب 950 صفحات پر مشتمل تھی، اس کا نسخہ تیار ہو گیا تھا کہ اسی دوران تقسیم وطن کا واقعہ پیش آگیا اور اس کی اشاعت عمل میں نہ آسکی۔ اور اصل نسخہ بھی ضائع ہو گیا۔[2]

---

[1] دیوان احمد: مولانا احمد حسین رسولفوري، ص22

[2] ماہنامہ رسالہ ''ضیاءالاسلام''، 56/12-8/3

مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی صاحب فرماتے ہیں:

"قاضی صاحب کی غالباً سب سے بڑی پہلی تالیف اور قابل ذکر خدمت تفسیر قرآن پر تھی جن میں سات اہم اور ممتاز تفسیروں کا انتخاب پیش کیا گیا تھا اور اسی مناسبت سے ان کا نام "منتخب التفاسیر" رکھا تھا۔"[1]

یہ بات دوسروں نے بھی نقل کی ہے، اس بات کی تصدیق 'اسلامی نظام زندگی' سے بھی ہوتی ہے۔ اس کتاب سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ان کی یہ کتاب زمزم پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنی، لاہور سے شائع ہوئی۔[2]

**41. سیرت رسول خود حضور کی زبانی:** قاضی صاحب نے اس موضوع سے متعلق ایک رسالہ تالیف کرنے کا ارادہ کیا مگر پورا نہ کر سکے، ان کے باقیات میں اس موضوع سے متعلق کچھ معلومات بکھری پڑی ہیں۔

**42. اموی خلفاء و امراء اور تدوین حدیث:** قاضی صاحب نے اس موضوع سے متعلق ایک رسالہ تالیف کرنے کا ارادہ کیا مگر پورا نہ کر سکے، قاضی صا حب کے باقیات میں اس موضوع سے متعلق کچھ معلومات بکھری پڑی ہیں۔

**43. طب عربی:** قاضی صاحب "الطبابۃ عند العرب" کے نام سے ایک کتاب مرتب کرنا چاہتے تھے اور کافی حد تک مواد بھی اکٹھا کر لیا تھا، اس مواد کو آپ نے اپنے اردو مقالہ "عرب وہند کے طبّی تعلقات" میں لکھتے وقت استعمال کیا، یہ مقالہ 'نذر حمید' مرتبہ مالک رام میں شائع ہوا۔[3]

---

[1] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 8/3-182/12

[2] حیات جمیلہ یا اسلامی نظام زندگی، کتاب کی پشت پر

[3] نذر حمید، ص 439-451

44. کتب اور کتب خانے: انھوں نے کتاب اور کتب خانے کے متعلق نہایت گراں قدر معلومات جمع کر لی تھیں مگر اس کو شائع کرانے کا موقع نہ مل سکا۔

45. خطبات الخلفاء الراشدین و مکاتیبھم و اقوالھم: یہ کتاب عربی میں ہے، "حیات جمیلہ یا اسلامی نظام زندگی"[1] کے پشت پر اس کتاب کا ذکر ہے، مگر قاضی اطہر صاحب کی تالیفات میں اس کی تفصیل ہمیں دستیاب نہ ہو سکی۔

46. رجال الکشی: یہ کتاب بھی عربی میں تھی۔ قاضی صاحب نے اس تصنیف کا ذکر اپنی کتاب 'خلافت عباسیہ اور ہندوستان' کی فہرست مصادر و مراجع میں 65 ویں نمبر پر کیا ہے۔

47. مکتوبات ائمہ: اس کتاب کا ذکر 'حیات جمیلہ یا اسلامی نظام زندگی'[2] کے پشت پر ہے، مگر قاضی اطہر صاحب کی تالیفات میں اس کی تفصیل دستیاب نہ ہو سکی۔

48. اسلام میں قربانی کی حقیقت: اس کتاب کا ذکر بھی 'حیات جمیلہ یا اسلامی نظام زندگی'[3] کے پشت پر ہے، مگر قاضی اطہر صاحب کی تالیفات میں اس کی تفصیل ہمیں نہ مل سکی۔

49. علم حدیث کی مختصر تاریخ: اس کتاب کا ذکر بھی "حیات جمیلہ یا اسلامی نظام زندگی"[4] کے پشت پر ہے، مگر قاضی اطہر صاحب کی تالیفات میں اس کی تفصیل ہمیں نہ مل سکی۔

---

[1] حیات جمیلہ یا اسلامی نظام زندگی، کتاب کی پشت پر

[2] حیات جمیلہ یا اسلامی نظام زندگی، کتاب کی پشت پر

[3] حیات جمیلہ یا اسلامی نظام زندگی، کتاب کی پشت پر

[4] حیات جمیلہ یا اسلامی نظام زندگی، کتاب کی پشت پر

**50. حیات امام احمد:** اس کتاب کا ذکر بھی "حیات جمیلہ یا اسلامی نظام زندگی"[1] کے پشت پر ہے، مگر قاضی اطہر صاحب کی تالیفات میں اس کتاب کی تفصیل بھی ہمیں نہ مل سکی۔

**51. افادات امام احمد بن حنبل:** قاضی اطہر صاحب اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"سیرۃ النعمان' اور 'حیات امام مالک' لکھی گئی ہیں، یہیں سے حیات احمد بن حنبل بھی لکھی جانی چاہیے، اور 'افادات احمد بن حنبل' کے نام سے بعد میں ایک کتاب بمبئی میں کتابت کرائی جو کتابت شدہ اب تک میرے پاس محفوظ ہے، نہ وہ شائع ہو سکی اور نہ امام صاحب کی مستقل سیرت لکھ سکا، البتہ 'ائمہ اربعہ' میں ان کے مختصر حالات آگئے ہیں۔"[2]

**52. ائمہ اربعہ:** یہ قاضی صاحب کی شائع شدہ کتاب کے علاوہ دوسری کتاب ہے، مگر اس کتاب کو بھی سورج کی روشنی مقدر نہ تھی، قاضی صاحب بذات خود فرماتے ہیں:

" مجلہ 'قائد' کی بنا پر میں نے 'ائمہ اربعہ' کے نام سے ایک دوسری کتاب کی تصنیف کا ارادہ کیا اس وقت میں طالب علم تھا اور مرکز تنظیم اہل سنت سے ایک نسخہ حاصل کر لیا مگر ہندستان اور پاکستان کے غدر کی نذر ہو گئی۔[3]

---

[1] حیات جمیلہ یا اسلامی نظام زندگی، کتاب کی پشت پر

[2] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص 93

[3] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص 98

53. حیات امام لیث بن سعد مصری: موصوف نے اس موضوع سے متعلق معلومات مہیا کیں مگر یہ کتاب بھی شائع نہ ہو سکی۔[1]

54. دروس النبی: یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی تھی، اس کتاب کا ذکر محمد مبین مظاہری نے کیا ہے۔[2] مگر اس کے متعلق ہمیں زیادہ تفصیل دستیاب نہ ہو سکی۔

55. اقوال حکماء: "۔۔۔ ایک مرتبہ احسان دانش کی مجلس میں یہ بات آئی کہ اس موضوع پر ایک دلچسپ کتاب ہو سکتی ہے ۔۔۔ یہ میرے بس کا نہیں تھا۔۔۔ اور اب بہت بعد میں بعینہ یہی کام ڈاکٹر محمد اسلم پروفیسر تاریخ پنجاب لاہور نے 'الواح الصنادید' کے نام سے کیا۔"[3]

56. المختار الادبی من 'الأمالی': قاضی صاحب جب ڈابھیل میں اقامت پذیر تھے اس زمانہ میں آپ نے ابو علی قالی بغدادی کی "الأمالی" سے ادبی جواہر کو جمع کیا تھا، یہ دس بڑی تقطیع کے صفحات پر مکتوب کی شکل میں موجود ہے مگر یہ کتاب بھی طبع نہ ہو سکی۔[4]

57. مقالات: قاضی اطہر صاحب کے ان بیش قیمت مقالات کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے، آپ کے مقالات کی تعداد اس قدر زیادہ ہیں کہ اس کا شمار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اگر ان مقالات کو موضوع کے اعتبار سے علاحدہ علاحدہ جلدوں میں میں جمع کر کے شائع کر دیا جائے تو شائقین علم کے لیے ایک بہترین مواد تیار

---

[1] مجلہ ترجمان الاسلام (سہ ماہی)، 28-29، اکتوبر 1996-مارچ 1997، ص 95

[2] مجلہ 'الحرم' جمادی الاولی رجب، 1417ھ، ص 14

[3] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص 100

[4] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص 113

ہو سکتا ہے، اس کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مولانا محمد نعیم صدیقی صاحب ابوظبی فرماتے ہیں:

"مستقل تصانیف کے علاوہ قاضی صاحب نے مختلف علمی، مذہبی موضوعات پر نہایت کثرت سے معیاری مقالات بھی سپرد قلم کیے ہیں۔"[1]

وزارت اسلامی امور و اوقاف و دعوت وارشاد، مملکت سعودی عرب کے مبعوث حافظ کمال عبدالحفیظ فرماتے ہیں:

"۔۔۔اگر ان مقالات و مباحث کو جمع کیا جائے تو ان تالیفات کی تعداد مزید پچاس ہو جائے گی یعنی زندگی کے ہر ایک سال میں ایک کتاب۔"[2]

### 58. قاضی صاحب کے وہ مقالات جن میں ان کا نام نہیں:

قاضی مرحوم صاحب 'جمہوریت' اخبار سے وابستگی اور اس کی کالم نویسی کے بارے میں فرماتے ہیں:

"کیونکہ میں چار چار پانچ پانچ کالم میں علمی، تاریخی، دینی اور سیاسی مضامین لکھنے کے ساتھ اکثر وبیشتر طول طویل مضامین بھی لکھتا تھا مگر میرا نام کہیں نہیں آتا تھا۔"[3]

## ان کے متعلق علماء وباحثین کی آراء:

جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ قاضی اطہر مبارکپوری صاحب ان خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جنھیں اندرون ملک کے ساتھ ساتھ بیرون ملک میں شہرت عام

---

[1] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 8/3-304/12
[2] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 8/3-182/12
[3] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص119

نصیب ہوئی،ان کے حسن کردار،بلند اخلاق،علمی منزلت،عظیم الشان علمی کارناموں کی بیشتر علماء نے تعریف وستائش کی ہے،ان میں سے چند کی آرا کو ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

اردو کے بڑے شاعر احسان دانش صاحب بیان فرماتے ہیں:

"میرے لیے یہ مناسب نہیں کہ میں آپ سے حمالی کراؤں،آپ ایک بڑے عالم ہیں،یہ انھوں نے اس وقت کہا جب قاضی اطہر صاحب نے ان سے حمالی (سامان اٹھانے بار برداری) کی اجازت طلب کی۔"[1] (138)

مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب بیان کرتے ہیں:

"۔۔۔جماعت میں آپ کا وجود قیمتی ہے،علماء کی شان کے بہت سے جوہر آپ کی ذات میں پنہاں ہیں۔"[2]

شاہ معین الدین صاحب ندوی قاضی اطہر صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اللہ کا بہت بڑا فضل ہے جو اس قسم کے علمی کام (آپ سے) لے رہا ہے، بمبئی [ممبئی] میں رہ کر یہ کام کرتے رہنا محض آپ کی کرامت ہے۔"[3]

بھیم سنگھ ظفر صاحب ملتانی جو قاضی صاحب کے دوستوں میں تھے لکھتے ہیں:

"ہمارا قاضی چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا [ہے]۔"[4]

ڈاکٹر حمید اللہ حیدرآبادی صاحب رقمطراز ہیں:

---

[1] مجلہ ترجمان الاسلام (سہ ماہی)،اکتوبر نومبر 1994،ص 94

[2] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"،8/3-381/12

[3] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"،8/3-385/12

[4] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"،8/3-65/12

"۔۔۔آپ کی فاضلانہ کتاب کا ذکر سن چکا ہوں۔۔۔کتاب آپ کی اور تالیفوں کی طرح نفیس اور مفید ہی ہو گی۔" [1]

جب عبد اللہ احمد میمنی نے قاضی اطہر کی وفات کی خبر سنی تو ان کے صاحبزادے کو ایک مکتوب بھیجا، اس کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"۔۔۔آپ کے والد مرحوم ہندستان کے علمائے کبار اور کتابوں کے بڑے مصنفین میں تھے۔ انھوں نے اپنی ساری عمر دین کی خدمت کرتے ہوئے گذار دی، اللہ تعالیٰ ان کے اس نیک کام کو قبولیت بخشے اور ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، ہم سبھی اس اہم راہ پر گامزن ہیں تاکہ اللہ رب العزت ہمیں اپنی جنت میں داخلے کی سعادت بخشے اور جن کا راستہ خیر و ایمان اور خدمت دین کا ہے اس پر چلنے کی توفیق دے، اللہ سے دعا ہے کہ آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا کرے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے، بلا شبہ وہ سننے اور قبول کرنے والا ہے۔" [2]

حافظ غلام مرتضیٰ پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی لکھتے ہیں:

" آپ ایک سادہ لیکن مصروف زندگی گزارتے ہوئے جو نمایاں علمی خدمات انجام دے رہے ہیں، اس کے پیش نظر آپ واقعی اس اعزاز کے بجا طور پر مستحق ہیں۔۔۔۔حکومت کویت نے آپ کو اپنے یہاں کے نشریاتی شعبہ کا معتمد اور مشیر کا اعزاز بخشا۔۔۔ میں نے آپ کی قابل قدر

[1] ماہنامہ رسالہ "ضیاءالاسلام"، 8/3-12/383-384

[2] ایک خط سے جو ان کے رشتہ دار کے وہاں موجود ہے

تصنیف ''رجال السند والہند''۔۔۔ کا ایک نسخہ المتحف العراقی کی لائبریری میں رکھوانے کے لیے بھیجا گیا، تو ناظم جناب کورکیس عواد نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر نہ تھی کہ آج بھی ہندستان میں عربی کے ایسے جلیل القدر علماء موجود ہیں۔''[1]

مجلہ ''البعث الاسلامی'' کے مدیر مولانا سعید الاعظمی صاحب فرماتے ہیں:

''كان الفقيد من أسرة علمية دينية بمديرية أعظم جراه---وكان التاريخ الإسلامي في الهند موضوعه الأثير الذي تضلع فيه وألّف كتبًا عديدةً، من بينها كتابه الشهير (رجال السند والهند) باللغة العربية الذي نال قبولًا عامًا واسعًا وإعجابًا في الأوساط العلمية في الهند وخارجها--- لقد وفق إلى وضع مكتبة تاريخية علمية بأسرها تعتبر زيادة طيبة في المكتبة الإسلامية العامرة يستحق عليها شكر العلماء والمثقفين والأجيال المسلمة القادمة.''[2]

''مرحوم کا تعلق اعظم گڑھ کے ایک دینی و علمی خانوادے سے تھا۔۔۔ ہندستان میں اسلامی تاریخ ان کا پسندیدہ موضوع تھا جس میں انھیں مہارت تھی، انہوں نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں جس میں 'رجال السند والہند' بھی ہے یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اسے علمی دنیا میں، ہندوستان اور اس سے باہر، دونوں جگہ بہت ہی زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔۔۔ انھوں نے ایک علمی و تاریخی کتب خانہ قائم کر دیا تھا جسے اسلامی دنیا کے کتب خانہ میں

---

[1] ماہنامہ رسالہ ''ضیاءالاسلام''، 8/3-384/12

[2] مجلہ ''البعث الاسلامی'' عدد جمادی الاولی، 1994، ص 98-99

شمار کیا جاسکتا ہے اور اس کے لیے وہ علماء، دانشوروں اور آئندہ مسلم نسلوں سے شکر و سپاس کے مستحق ہیں۔"

نور عالم خلیل امینی صاحب لکھتے ہیں:

"كان القاضي أطهر المباركفوري من الكتاب الإسلاميين المكثرين الذين أثروا المكتبة الإسلامية بمؤلفاتهم ذات القيمة والغناء، التابعة من الدراسات المضنية حقًا، وكان رحمه الله مؤرخًا فذًا بل رائدًا في موضوع العلاقة القديمة بين العرب وشبه القارة الهندية، حيث كانت حصيلة دراساته الواسعة العميقة الدقيقة المتصلة المستغرقة للسنوات الطويلة، مؤلفات دسمة لا يمكن أن يستغني عنها أي دارس وباحث للموضوع المشار إليه --- واعترف بوجاهته العلمية العجم والعرب، وتجاوز صيته الهند إلى العالم الإسلامي"[1]

"قاضی صاحب کثرت سے لکھنے والے ان مسلم کاتبوں میں سے ہیں جنھوں نے اپنے پیچھے اسلامی کتب کا قیمتی اور بیش بہا ذخیرہ چھوڑا، جو بہت ہی محنت اور مطالعات کا نتیجہ ہیں۔ مرحوم ایک منفرد شخصیت کے حامل تھے۔ بلکہ عرب وہند کے مابین تعلقات کے موضوع پر پیش رو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وسیع و عمیق اور مسلسل کئی سال کے مطالعہ کے نتیجہ میں ایسی بیش قیمت تصنیفات وجود میں آئیں کہ مذکورہ بالا موضوع سے متعلق تحقیق کرنے والوں کے لیے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے۔۔۔ ان کی علمی وجاہت کا اعتراف عجم و عرب نے کیا اور ان کی شہرت ہندستان سے باہر عالم اسلام تک پھیل گئی۔"

[1] جریدہ "العالم الاسلامی" عدد 18-24، جمادی الاولی، 1417ھ، ص 12

وزارت اسلامی امور واوقاف ودعوت وارشاد، مملکت سعودی عرب کے مبعوث حافظ کمال عبدالحفیظ کی تحریر بھی ملاحظہ فرماتے چلیں:

"وكان المغفور له من الشخصيات الإسلامية الفذة في شبه القارة الهندية، بل في البلاد العربية والعجمية، وله مؤلفات قيمة، وأعمال دينية وبحوث تاريخية في اللغة الأردية والعربية، يصل مجموعها إلى ما يقارب ثلاثين مؤلفًا بالإضافة إلى المقالات والبحوث والتعليقات في المجلات والجرائد."[1]

ترجمہ: "مرحوم ہندستان کی منفرد اسلامی شخصیات میں سے تھے بلکہ عرب و عجم کی۔ اردو اور عربی زبان میں ان کی بیش بہا تصانیف اور دینی کارنامے اور تاریخی تحقیقات ہیں جن کی تعداد تقریباً تیس تصنیف پر مشتمل ہے اس کے علاوہ مقالات، تحقیقات اور تعلیقات ہیں جو مجلات و جرائد میں شائع ہوئیں۔"

پروفیسر شمس تبریز خان صاحب نقل کرتے ہیں:

"قاضی صاحب کا مزاج خالص علمی و تحقیقی تھا، ان کا ذوق طلب اور جستجوئے علم دیکھ کر عام آدمی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ بجائے خود علم کا پیکر اور تحقیق کا مظہر ہیں۔"[2]

پروفیسر محمد نعمان خان صاحب رقمطراز ہیں:

"ومن العلماء المخلصين الذين خدموا هذه اللغة (العربية) الشيخ القاضي أطهر المباركفوري[3] --- وله شهرة في مجال

---

[1] جریدہ "العالم الاسلامی" عدد 18-24، جمادی الاولی، 1417ھ، ص 12

[2] مجلہ ترجمان الاسلام (سہ ماہی)، 28-29، اکتوبر 1996-مارچ 1997، ص 43

[3] سہ ماہی مجلہ "ثقافۃ الہند" 107/1/52

التصنيف والتأليف ليست في الهند فحسب بل في العالم العربي والإسلامي أيضًا[1] --- للهفه الشديد في العلم قد جمع لديه كثيرًا من النوادر المطبوعة والمخطوطة.''[2]

ترجمہ: ''قاضی اطہر مبارکپوری ان علماء میں ہیں جنھوں نے اس زبان (عربی) کی خدمات کیں ---تالیف و تصنیف کے حوالے سے ان کی شہرت صرف ہندستان تک ہی محدود نہ تھی بلکہ وہ عالم عرب واسلام میں جانے اور پہچانے گئے--- علم کے معاملے میں اپنے بے پناہ شوق کی وجہ سے انھوں نے اپنے پاس بہت ساری نادر کتب اور مخطوطے جمع کر لیے تھے۔''

مولانا ضیاء الحق صاحب خیر آبادی فرماتے ہیں:

''قاضی صاحب جس پایا کے عالم اور محقق تھے اور علم و فضل کے جس بلند مقام پر فائز تھے، اگر کسی زندہ قوم کے درمیان ہوتے تو نہ جانے ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر کتنے مجلدات تیار ہو چکے ہوتے۔''[3]

مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب فرماتے ہیں:

''وہ [قاضی صاحب] دیار پورب کے لیے مایۂ افتخار نہ تھے، نہیں بلکہ پورے ہندستان کے علماء کا انھوں نے سر اونچا کیا۔ کتنے لوگوں کو دھوکہ ہوا کہ وہ متقدمین میں کوئی قد آور شخصیت ہیں۔''[4]

---

[1] سہ ماہی مجلہ ''ثقافۃ الہند'' 111/1/52

[2] سہ ماہی مجلہ ''ثقافۃ الہند'' 114/1/52

[3] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص13

[4] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص17

محمد احمد صاحب ندوی فرماتے ہیں:

"--- وقد فقدت الأمة الإسلامية عالماً عاش طول حياته للعلم واستنشق في أجوائه الفائحة العطرة، وقضى حياة الجد والاجتهاد وأثر المكتبة الإسلامية بكتب قيمة خالدة"[1]

ترجمہ: امت اسلامیہ نے ایک ایسے عالم کو کھودیا جس نے اپنی پوری زندگی علم کے میدان میں گذار دی، اسی کی معطر فضا میں سانسیں لیں اور پوری زندگی جد وجہد کرتے رہے، نتیجتاً اپنے پیچھے قیمتی ونایاب کتب کا ایک ذخیرہ چھوڑ گئے۔

محمد مبین مظاہری صاحب فرماتے ہیں:

"لقد كان الفقيد من عباقرة عصره، هو قام بجهود مشكورة ومآثر علمية وفكرية حول التاريخ والسير والتراجم والحديث والتفسير ومصطلحات الحديث وقد طبعت له مؤلفات كثيرة في الأردوية والعربية التي نالت تقديراً من أهل العلم والأدب وتمثل الفكر الإسلامي الواعي المستنير --- ولا شك أن وفاته ليس خسارة لجامعة أو مدرسة وطبقة خاصة بل هي خسارة فادحة عظيمة ومأساة كبيرة أليمة للعلم والدين والأدب."[2]

ترجمہ: مرحوم اپنے زمانے کی عبقری شخصیات میں سے تھے۔ انھوں نے قابل فخر کارنامہ انجام دیا اور اپنے پیچھے تاریخ، سیر، تراجم، حدیث، تفسیر اور حدیث کی اصطلاحات پر علمی وفکری سرمایہ چھوڑ گئے۔ ان کی بہت سی کتابیں

---

[1] مجلہ "الرائد"، عدد 16 جولائی، 1996، ص 10

[2] مجلہ "الحرم"، عدد جمادی الاولی-رجب، 1417ھ، ص 14

اردو اور عربی زبان میں شائع ہوئیں جن کو اہل علم وادب کے طبقے میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور جو روشن خیالی کے ساتھ اسلامی فکر کو بخوبی پیش کرتی ہیں۔۔۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی وفات سے نہ صرف ایک ادارہ، ایک مدرسہ اور ایک خاص طبقہ کا نقصان ہوا ہے بلکہ یہ علم ودین اور ادب کے لیے بہت بڑا خسارہ اور بہت بڑاالمیہ ہے۔

ڈاکٹر شیخ عبد المنعم صاحب جب پہلی مرتبہ قاضی صاحب کے کمرے میں تشریف لے گئے اور پھر جو جملہ ارشاد فرمایا وہ گرچہ الفاظ کے اعتبار سے بہت مختصر ہو مگر معنویت کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔یہ جملہ قاضی صاحب کی تعریف میں سب سے جامع اور اہم جملہ کہا جا سکتا ہے، کہتے ہیں: 'يا سلام!تأهلت بالكتب والكتابة' (ماشاء اللہ تم اب کتابوں اور کتابت کے اہل ہو گئے / تم نے تو کتابوں اور کتابت کو اپنا لیا ہے)[1]

اس تحریر کا اختتام ہم ابو محفوظ کریم معصومی صاحب کے ان اشعار سے کرنا چاہتے ہیں جو انھوں نے مبارکپور کی زیارت کے بعد کہے ہیں:

| | |
|---|---|
| أعظم بيوم سرت من "أعظم كر | ا" معي أبو البركات، خرّيت حرى |
| كانت "مباركفور" غاية مذهبي | حتى انتهيت أمام منزل "أطهر" |
| فوجدتُه عن داره متنائيًا | إذ لم يكن أخبرته بتصدّري |
| هو في "سهارنفور" أو جنباتها | ما بين كتب خزائن والمحبر |

[1] کاروان حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص147

غــرراً يؤلـــف درّهـــا وعقيقهـــا في ســلك منــتظم بــهيّ المنظــر

فلقيـــت حســـانًا وبعـــد هنيهـــة "ظفـرا" وقـد أتيـا بوجـه مسـفر

فاســتوقفاني دون مــا متكلــف واستبشــرا بــي، دون أي تــأخر

لله درهمـــــــا ودر أبيهمـــــــا طبعـوا على كـرم وطيبـة عنصـر

ومضى بنـا "ظفـر" إلى دار المحـدْ دِثْ، مـن تـوفى قبـل عـدة أشـهر

قابلـت نجليـه علـى وجـه العـزا ءِ، وفـاح طيب الأصـل من فـرع طري

وإذا "أبو الحسن الإمام" برهطه وافى هنالك واستحث، بمحضري

فمضوا إلى غاياتهم ومضيت من مغني "المحدث"، صوب مغنى "أطهر"

فــأتى بنـــا "ظفــر" إلــى دهلـــيزه حيث استرخنا مـن كـلال يعـتري

وأتى عقيب "الظهر" غـدّانا بكلْـ ـــل أطايـــب ومطايـــب المتخـــيّر

هـــذا، وأردفـــني علـــى دراجـــة آليـــة قـــد ســـاقها بتمهـــر

فخرجـت نحـو مقـابر معهـودة وتهمـــني منهـــا ثلاثـــة أقـــبر

ذا قــبر مولانــا عبيــد الله، مــن خدم الحديث وعاش غير مقصّر

متورّعــاً، متواضــعًا، متخشــعًا نشــر الحــديث بفكـره والمزمـر

"مرعاتــه" دلّــت علــى إحـــرازه مــن ســنة الهــادي بحـظ أوفـر

وهنـاك قـبر الشـيخ صـاحب "تحفـة" ضــمنت شـــفاء مــزوّرًا وممــتري

| | |
|---|---|
| ب"رسولفور" ضريح "أحمد" حائز | عربيـــة وطــراز شــعر البحــتري |
| زهـــدًا وعلمًـــا زاخـــرًا وتورعًـــا | وجمـــال معـــروف وردّ المنكـــر |
| بطلاقـــــة بدويـــــة وطـــــلاوة | حضـرية، وبهـاء جـودة عبقـر |
| و"العصر" صلينا بمسجدها، وزُرْ | نـا دار هـذا المضـرحي العبقـري |
| حــوت القبــور معالمــاً علميــة | عمليـــة أعيـــت لســـان معـــبّر |
| بحبوحة الفردوس يدخلهم وجمـ | ـــع المـــؤمنين بدينـــه المتيســـر |
| سـردي لقصـتي العجيبـة منبئ | عمـا بـه امتـازت سـلالة "أطهـر" |
| حيـــاهمو رب الـــورى بيـــاهمو | في منتـــهى دعـــة وعـــيش مزهـــر |
| ثـم انصـرفنا شـاكرين لجمعهـم | عوداً على بدءٍ، إلى "أعظم كـر"[1] |

ترجمہ:

* وہ دن کتنا بابرکت اور عظمت والا تھا، جب میں اعظم گڑھ شہر سے روانہ ہو، اور میرے ساتھ ایک معتبر رہبر مولوی ابوالبرکات صاحب تھے۔
* قصبہ مبارکپور میرے اس سفر کی منزل تھا، میں قاضی اطہر صاحب کے مکان پر پہنچا۔
* مجھے معلوم ہوا کہ وہ گھر سے باہر دور گئے ہوئے ہیں، پہلے سے میں نے انھیں آنے کی اطلاع نہ دی تھی۔
* وہ سہارنپور میں یا اسی علاقہ میں کہیں قرطاس و قلم کے درمیان ہیں۔

---

[1] ماہنامہ رسالہ ''ضیاءالاسلام''،8/3-389-387/12

* جہاں وہ علم و فن کے حسین موتیوں اور جواہر پاروں کو تصنیف وتالیف کی لڑی میں پرو رہے ہیں۔

* وہاں میری ملاقات پہلے حسان سے ہوئی، پھر تھوڑی دیر بعد مولوی ظفر مسعود سے ہوئی، دونوں بہت ہی خندہ پیشانی سے ملے۔

(حسان احمد اور مولوی ظفر مسعود قاضی صاحب کے صاحبزادگان گرامی ہیں)

* صاحبزادگانِ محترم نے بے تکلفی اور بشاشت کے ساتھ مجھے اپنے گھر ٹھہرایا، انھیں اس سے بڑی مسرت ہوئی۔

* دونوں کیا خوب فرزند ہیں، اور ان کے والد محترم بھی کیا خوب ہیں، نہایت شریف اور پاک طینت لوگ ہیں۔

* پھر مولوی ظفر مسعود مجھے ان محدث کے گھر لے گئے، جن کا ابھی چند ماہ پہلے انتقال ہوا ہے۔

* میں ان کے دو صاحبزادوں سے بطور تعزیت کے ملا، اس تازہ شاخ سے اصل کی خوشبو محسوس ہوئی۔

(ایک مولانا عبد الرحمن صاحب اور دوسرے ان کے بھائی مولانا عبد العزیز صاحب دونوں عالم وفاضل ہیں)

* وہاں اتفاقاً مولانا سید ابو الحسن علی ندوی بھی موجود تھے، میری حاضری سے وہ خوش ہوئے۔

* پھر سب لوگ اپنی اپنی منزل کی طرف چلے گئے اور میں بھی وہاں سے قاضی اطہر صاحب کے گھر آگیا۔

* ظفر مسعود اپنے گھر لے آئے اور ان کی بیٹھک میں ہم نے آرام کیا۔

* ظہر کی نماز کے بعد انھوں نے کھانا کھلایا، عمدہ اور لذیذ کھانا۔

* پھر انھوں نے اپنی موٹر سائیکل پر مجھے بٹھایا، اور بڑی مہارت سے چلا کر لے گئے۔

* تو میں چند مشہور قبروں کی طرف چلا جن میں سے تین قبریں میری خاص توجہ کا مرکز تھیں۔

* یہ مولانا عبید اللہ صاحب کی قبر ہے، جنھوں نے حدیث کی بڑی خدمت کی ہے، اور اچھی خاصی بابرکت زندگی گزاری ہے۔

* صاحب ورع تھے، متواضع اور خاشع و خاضع تھے، انھوں نے حدیث کی نشر و اشاعت اپنی فکر و ذہانت سے بھی کی اور تحریر و کتابت سے بھی۔

* ان کی کتاب مرعاۃ المفاتیح، اس بات کی دلیل ہے کہ ہادیٔ اکرم ﷺ کی سنتوں سے انھوں حظ وافر پایا تھا۔

* وہیں صاحب تحفۃ الاحوذی کی بھی قبر ہے، تحفۃ الاحوذی جو ہر شک و تزویر کے لیے شفا ہے۔

* (یعنی محدث مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری علیہ الرحمہ متوفی 16 شوال 1453ھ مطابق 1935)

* رسول پور میں مولانا احمد حسین صاحب کا مرقد ہے، جو علوم عربیت کے ماہر اور بحتری کے طرز کے شاعر تھے۔

* (یعنی شیخ ادیب کبیر مولانا احمد حسین ابن عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ، میرے والد محترم کے دوستوں میں سے تھے، میں نے بچپن میں ان کی زیارت کی تھی، وہ ہمارے دوست قاضی اطہر صاحب کے نانا تھے)
* وہ صاحب زہد وورع تھے، علم کے بحر ذخار تھے، نیکی وسعادت کے جمال اور برائی کی سراپا تردید تھے۔
* انھیں بدوی طلاقت شہری جگمگاہٹ اور عمدگی کی رونق حاصل تھی۔
* ہم نے عصر کی نماز وہیں کی مسجد میں پڑھی، اور ان کے بزرگ کے گھر کی زیارت کی۔
* یہ قبریں ایسے علمی و عملی کمالات کو سمیٹے ہوئے ہیں جن کے بیان سے زبانیں قاصر ہیں۔
* اللہ تعالیٰ ان پر بھی اور ہم پر بھی رحم فرمائے اور اپنے فضل عمیم سے سب کی مغفرت فرمائیں۔ انھیں اور تمام مسلمانوں کو اپنے دین یسیر کے طفیل باغ فردوس میں جگہ عطا فرمائیں۔
* میرے اس بیان واقعہ سے قاضی اطہر صاحب کے خاندان کے امتیازات نمایاں ہیں۔
* رب کائنات انھیں انتہائی خوشحالی اور پھلتی پھولتی زندگانی عطا فرمائے۔
* پھر ہم ان سب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جہاں سے چلے تھے وہیں یعنی اعظم گڑھ شہر لوٹ آئے۔

# مصادر و مراجع


1. قرآن کریم
2. احمد حسین، رسولپوری: دیوان احمد (قاضی اطہر مبارکپوری صاحب نے ابو الاوفی محمد یحییٰ اعظمی صاحب کے تعاون سے جمع و ترتیب دی) دائرہ ملیہ، مبارکپور، اترپردیش، الہند، اپریل 1958
3. اطہر، قاضی، مبارکپوری: اسلامی ہند کی عظمت رفتہ، ندوۃ المصنفین، دہلی 1969
4. اطہر، قاضی، مبارکپوری: العقد الثمین فی فتوح الہند و من ورد فیہا من الصحابۃ والتابعین، طبع اول، ممبئی 1968
5. اطہر، قاضی، مبارکپوری: تدوین سیر و مغازی، شیخ الہند اکیڈمی 1990
6. اطہر، قاضی، مبارکپوری: تذکرہ علماءِ مبارکپور، دائرہ ملیہ، مبارکپور، اترپردیش، الہند، 1974
7. اطہر، قاضی، مبارکپوری: حیات جمیلہ یا اسلامی نظامِ زندگی، مطبع غیر مذکور 1369ھ
8. اطہر، قاضی، مبارکپوری: خلافت بنو امیہ اور ہندوستان، ندوۃ المصنفین، دہلی 1975
9. اطہر، قاضی، مبارکپوری: خلافت راشدہ اور ہندوستان، ندوۃ المصنفین، دہلی 1972
10. اطہر، قاضی، مبارکپوری: خلافت عباسیہ اور ہندوستان، ندوۃ المصنفین، دہلی 1982
11. اطہر، قاضی، مبارکپوری: خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت، شیخ الہند اکیڈمی، دیوبند، طبع اول، 1995

12.اطہر، قاضی، مبارکپوری: دیار پورب میں علم اور علماء،البلاغ پبلیکیشنز، نئی دہلی2009
13.اطہر، قاضی، مبارکپوری: کاروانِ حیات مع قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، مکتبہ فرید پرائیویٹ لمیٹیڈ، دہلی نومبر 2003
14.اطہر، قاضی، مبارکپوری: مئے طہور، دائرہ ملیہ، مبارکپور، اترپردیش،الہند،2000
15.اطہر، قاضی، مبارکپوری:ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں،ندوۃالمصنفین، دہلی1967
16.پندرہ روزہ اخبار "الرائد" ،دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ،اترپردیش
17.پندرہ روزہ اخبار "العالم الاسلامی"، رابطۃ العالم الاسلامی، مکہ مکرمہ، سعودیہ عربیہ
18.حبیب الرحمنٰ، اعظمی:تذکرہ علمائے اعظم گڑھ، جامعہ اسلامیہ، وارانسی، اترپردیش، الہند،1976
19."صدق" اخبار، پاکستان
20.ماہانہ "الازہر" ادارہ ازہر، قاہرہ، مصر
21.ماہانہ مجلہ "البعث الاسلامی" دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ،اترپردیش
22.سہ ماہی مجلہ "الحرم" جامعہ اسلامیہ امدادیہ، مرادآباد، اترپردیش
23.ماہانہ مجلہ "الداعی" دارالعلوم، دیوبند، اترپردیش
24.سہ ماہی مجلہ "ترجمان الاسلام" جامعہ اسلامیہ،(ریوڑی تالاب بنارس) وارانسی، اترپردیش،الہند
25. سہ ماہی مجلہ "ثقافۃالہند" شائع کردہ منجانب قومی مجلس برائے ثقافتی تعلقات، نئی دہلی، الہند
26.ماہنامہ مجلہ "ضیاء الاسلام" مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، اعظم گڑھ،اترپردیش، الہند
27.نور عالم خلیل امینی: پس مرگ زندہ،ادارہ علم وادب، دیوبند،اترپردیش، الہند،2010